المنار جرمنی

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

ٹی آئی کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن جرمنی

T. I. COLLEGE OLD STUDENTS ASSOCIATION GERMANY

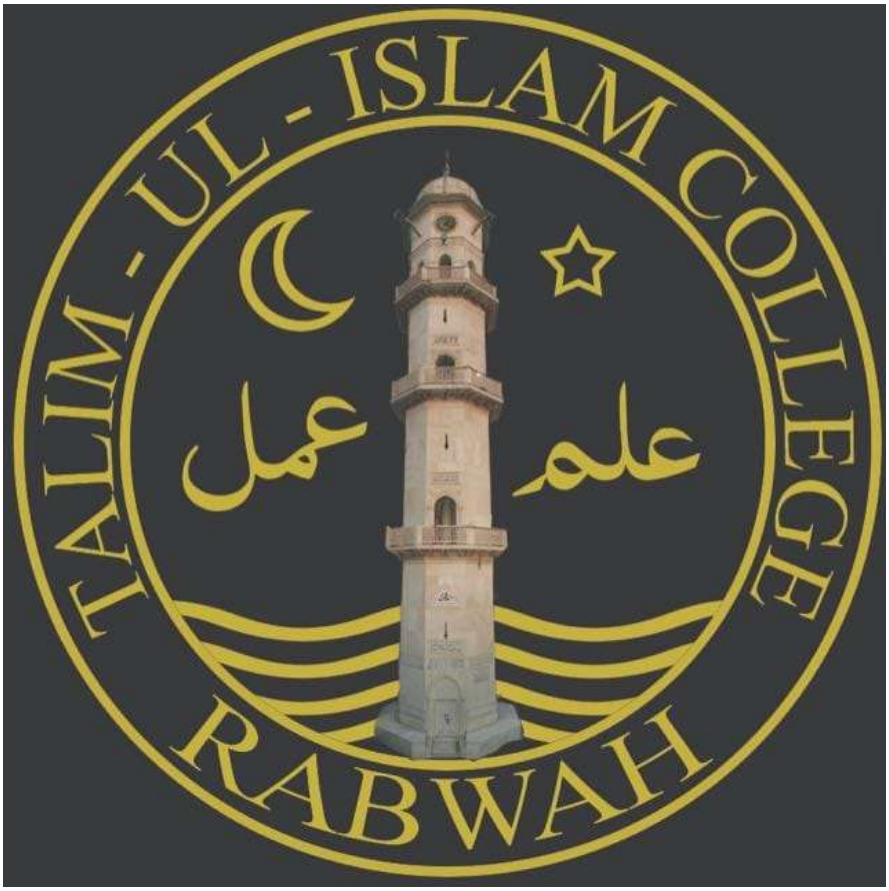

جولائی۔اگست۔ستمبر۔2021

المنار جرمنی

بابت ماہ جولائی۔اگست۔ستمبر 2021

بمطابق:وفا۔ظہور۔تبوک 1400ہجری شمسی

زیرِ نگرانی

پروفیسر چوہدری حمید احمد صاحب

سرپرست تعلیم الاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن جرمنی

صدر تعلیم الاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن جرمنی

چوہدری عبدالغفور ڈوگر

مدیر اعلیٰ المنار

چوہدری محمد کولمبس خاں

مجلسِ ادارت

چوہدری منیر احمد باجوہ۔چوہدری نصیر احمد۔عبدالشکور بھٹی

پتہ

Bait us Sabooh
Genferstrasse 11
60437 Frankfurt / M
E-Mail:
columbuskhan@gmail.com

اس رسالہ کی پروف ریڈنگ میں مکرم نوید حمید صاحب از فرینکفرٹ نے تعاون فرمایا۔گرائمر اور املاء کی درستی بھی کی۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء

سیّدنا حضرت امیر المومنین ایّدہ اللہ تعالیٰ بنصرہِ العزیز کی منظوری سے

ٹی آئی کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن جرمنی کو گزشتہ کئی سالوں سے پاکستان میں مستحق طالب علموں کی مالی اعانت کی توفیق مل رہی ہے۔الحمد للہ کہ اس مد میں قربانی کرنے والے بھائیوں کی تعداد اور رقم کی ادائیگی میں مسلسل اضافہ ہورہاہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی قربانی کو قبول فرماتے ہوئے اجرِ عظیم عطا فرمائے۔

یہ رقم اب جرمنی میں ٹکو ساسکالرشپ فنڈ کے نام پر اور اسی طرح ممبر شپ فنڈ صرف جماعتی رسید بکس پر ادا کی جاسکتی ہے۔ جو دوست آن لائین بھجوانا چاہیں ان کی سہولت کے لئے اکاؤنٹ ذیل میں درج ہے۔

AHMADIYYA MUSLIM JAMAAT-BRD
DE 41 5001 0060 0244 0236 04
BIC: PBNKDEFFXXX

ممبر شپ کے لئے TMF

وظیفہ کے لئے TSF

کی مد میں رقم جماعتی رسید بک پر جمع کروائی جائے

حمید احمد چوہدری

سرپرست

ٹی آئی کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن جرمنی

ارشادِ باری تعالیٰ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ﴿1﴾

اللہ کے نام کے ساتھ جو بے انتہا رحم کرنے والا، بن مانگے دینے والا (اور) بار بار رحم کرنے والا ہے۔

قُلۡ اَعُوۡذُ بِرَبِّ النَّاسِ ﴿2﴾ تُو کہہ دے کہ میں انسانوں کے ربّ کی پناہ مانگتا ہوں

مَلِکِ النَّاسِ ﴿3﴾ انسانوں کے بادشاہ کی۔ اِلٰہِ النَّاسِ ﴿4﴾ انسانوں کے معبود کی۔

مِنۡ شَرِّ الۡوَسۡوَاسِ الۡخَنَّاسِ ﴿5﴾ بکثرت وسوسے پیدا کرنے والے کے شرّ سے، جو وسوسہ ڈال کر پیچھے ہٹ جاتا ہے۔

الَّذِیۡ یُوَسۡوِسُ فِیۡ صُدُوۡرِ النَّاسِ ﴿6﴾ وہ جو انسانوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتا ہے۔

مِنَ الۡجِنَّۃِ وَ النَّاسِ ﴿7﴾ (خواہ) وہ جنوں میں سے ہو (یعنی بڑے لوگوں میں سے) یا عوام الناس میں سے

فرمانِ رسول ﷺ

عن عبد الله بن عمرو وجابر بن عبد الله - رضي الله عنهم- مرفوعاً:
«المسلمُ من سَلِمَ المسلمونُ من لسانهِ ويَدِهِ، والمهاجرُ من هَجَرَ ما نهى اللهُ عنهُ».
وعن أبي موسى -رضي الله عنه - قال: قلتُ: يا رسولَ اللهِ أيُّ المسلمينَ أَفْضَلُ؟ قال: «مَنْ سَلِمَ المسلمونُ من لِسانِهِ وَيَدِهِ».
[حديث عبد الله بن عمرو رضي الله عنه: متفق عليه. حديث جابر رضي الله عنه: رواه مسلم. حديث أبي موسى رضي الله عنه: متفق عليه.]

ترجمہ: عبد اللہ بن عمرو اور جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”کامل مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان (کی ایذا رسانی) سے مسلمان محفوظ رہیں اور حقیقی مہاجر وہ ہے جو ان تمام چیزوں کو چھوڑ دے جن سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے“۔

ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! کون سا مسلمان سب سے افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”جس کے ہاتھ اور زبان (کی ایذا رسانی) سے مسلمان محفوظ رہیں“۔ متفق علیہ

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔

"یہ ہے کہ لا الہ الّا اللہ محمد رسول اللہ ہمارا اعتقاد جو ہم اس دنیوی زندگی میں رکھتے ہیں جس کے ساتھ ہم بفضل و توفیق باری تعالیٰ اس عالم گذران سے کوچ کریں گے یہ ہے کہ حضرت سیدنا و مولانا محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیّین و خیر المرسلین ہیں جن کے ہاتھ سے اکمال دین ہو چکا اور وہ نعمت بمرتبہ اتمام پہنچ چکی جس کے ذریعہ سے انسان راہ راست کو اختیار کرکے خدائے تعالیٰ تک پہنچ سکتا ہے اور ہم پختہ یقین کے ساتھ اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ قرآن شریف خاتم کتب سماوی ہے اور ایک شُعشہ یا نقطہ اس کی شرائع اور حدود اور احکام اور اوامر سے زیادہ نہیں ہو سکتا اور نہ کم ہو سکتا ہے اور اب کوئی ایسی وحی یا ایسا الہام منجانب اللہ نہیں ہو سکتا جو احکام فرقانی کی ترمیم یا تنسیخ یا کسی ایک حکم کے تبدیل یا تغییر کر سکتا ہو اگر کوئی ایسا خیال کرے تو وہ ہمارے نزدیک جماعت مومنین سے خارج اور مُلحد اور کافر ہے" (ازالہ اوہام روحانی خزائن جلد 3۔ صفحہ 169 تا 170)

ارشاد حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

مختلف رشتوں اور تعلقات کے حوالے سے احباب جماعت کو اُن کی ذمہ داریوں سے متعلق توجہ دلاتے ہوئے حضور انور نے ارشاد فرمایا:

وَاعۡبُدُوا اللّٰہَ وَلَا تُشۡرِکُوۡا بِہٖ شَیۡئًا وَّبِالۡوَالِدَیۡنِ اِحۡسَانًا وَّبِذِی الۡقُرۡبٰی وَالۡیَتٰمٰی وَالۡمَسٰکِیۡنِ وَالۡجَارِ ذِی الۡقُرۡبٰی وَالۡجَارِ الۡجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالۡجَنۡۢبِ وَابۡنِ السَّبِیۡلِ ۙ وَمَا مَلَکَتۡ اَیۡمَانُکُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ مَنۡ کَانَ مُخۡتَالًا فَخُوۡرَا (النساء: 37)

ابھی جو آیت میں نے تلاوت کی ہے اس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میری عبادت کرو اور اس طرح عبادت کرو کہ جو عبادت کا حق ہے۔ یہ چھوٹے بُت یا بڑے بُت یا دلوں میں بسائے ہوئے بُت تمہیں کسی طرح بھی میری عبادت سے روک نہ سکیں۔ پھر والدین سے حسن سلوک کا حکم ہے، اُن سے حسن سلوک کرو اور اس حسن سلوک کا بھی مختلف جگہوں پر مختلف پیرایوں میں ذکر آیا ہے۔ پھر فرمایا:

"یہ دو بنیادی باتیں ہیں اگر تم میں پیدا ہو گئیں تو پھر آگے ترقی کرنے کے لئے اور منازل بھی طے کرنی ہوں گی۔ دین کی صحیح تعلیم پر عمل کرنے کے لئے تم نے اخلاق کے اور بھی اعلیٰ معیار دکھانے ہیں۔ اگر یہ معیار قائم ہو گئے تو پھر تم حقیقی معنوں میں مسلمان کہلانے کے مستحق ہو اور اگر یہ معیار قائم کر لئے اور اپنے اندر اعلیٰ اخلاق پیدا کر لئے تو پھر ٹھیک ہے تم نے مقصد پا لیا اور اللہ تعالیٰ کے فضلوں کے وارث بن گئے اور انشاء اللہ بنتے رہو گے اور اگر یہ اعلیٰ معیار قائم نہ کئے اور تکبر دکھاتے رہے اور ہر وقت اسی فکر میں رہے کہ اپنے آپ کو میں کسی طریقے سے نمایاں کروں تو یاد رکھو کہ یہ باتیں اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہیں۔ پھر تو حقوق العباد ادا کرنے والے نہیں ہو گے بلکہ اپنی عبادتوں کو ضائع کرنے والے ہو گے۔ اگر حسن خلق کے اعلیٰ معیار قائم نہ کئے تو اس کے ساتھ ساتھ اپنی عبادتوں کو بھی ضائع کر رہے ہو گے اور وہ معیار کیا ہیں جو اللہ تعالیٰ ہم سے چاہتا ہے کہ ہم قائم کریں۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ 23؍ جنوری 2004)

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ ایک تاریخی واقعہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں

ایک واقعہ مشہور ہے کہ ایک شیعہ بادشاہ کے پاس ایک دفعہ ایک سُنی بزرگ گئے اور اس سے امداد کے طالب ہوئے۔ وہ آدمی نیک تھے مگر چونکہ ان کا گذارہ بہت مشکل سے ہوتا تھا۔ اس لئے انہیں خیال آیا کہ میں بادشاہ کے پاس جاؤں اور اس سے کچھ مانگ لاؤں وہ گئے تو وہاں اور بھی بہت سے لوگ موجود تھے جو اپنی حاجات کے لئے آئے ہوئے تھے مگر وہ سب شیعہ تھے اور یہ سُنی۔ جب بادشاہ مال بانٹنے کے لیے کھڑا ہوا تو وزیر نے بادشاہ کے کان میں کچھ کہا اور اس نے اس سُنی بزرگ کے علاوہ باقی سب کو مال تقسیم کر دیا اور وہ ایک ایک کر کے رخصت ہو گئے۔ یہ سُنی بزرگ وہیں کھڑے رہے۔ آخر جب انہیں کھڑے کھڑے بہت دیر ہو گئی تو بادشاہ نے وزیر سے کہا کہ اسے بھی کچھ دے کر رخصت کر دو۔ وزیر نے کہا میں دے تو دوں مگر یہ شخص شکل سے سُنی معلوم ہوتا ہے بادشاہ نے کہا۔ تمہیں کس طرح معلوم ہوا وہ کہنے لگا بس شکل سے میں نے پہچان لیا ہے۔ بادشاہ نے کہا اچھا تو اس کا امتحان کر لو۔ چنانچہ وزیر نے حضرت علیؓ کی فضیلت بیان کرنی شروع کر دی، وہ سُنی بزرگ بھی شوق سے سنتے رہے اور کہنے لگے حضور حضرت علیؓ کی شان میں کیا شبہ ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی اور آپ کے داماد تھے خدا تعالیٰ نے انہیں خلافت عطا فرمائی۔ آپ کی شان سے تو انکار ہو ہی نہیں سکتا۔ بادشاہ کہنے لگا اب تو ثابت ہو گیا کہ یہ شیعہ ہے، وزیر کہنے لگا ابھی نہیں میں بعض اور باتیں بھی دریافت کر لوں۔ چنانچہ اس نے اور کئی باتیں کیں، مگر وہ بھی ان سب کی تصدیق کرتے چلے گئے بادشاہ نے کہا۔ بس اب تو تمہیں یقین آ گیا ہو گا کہ یہ سُنی نہیں بلکہ شیعہ ہے۔ وزیر کہنے لگا ابھی نہیں۔ تبرا دے کر دیکھیں اگر یہ تبرے میں شامل ہو گیا تو پتہ لگ جائے گا کہ شیعہ ہے اور اگر شامل نہ ہوا تو معلوم ہو جائے گا کہ سُنی ہے۔ چنانچہ بادشاہ نے کہا بر ہر سہ لعنت۔ یعنی نعوذ باللہ حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ پر لعنت۔ وزیر نے بھی کہا بر ہر سہ لعنت۔ وہ بزرگ سُنی بھی بول اٹھے کہ بر ہر سہ لعنت۔ بادشاہ نے کہا اب تو یقینی طور پر ثابت ہو گیا کہ یہ شیعہ ہے۔ وزیر نے کہا حضور میرا اب بھی یہی خیال ہے کہ یہ شخص منافقت سے کام لے رہا ہے۔ وہ کہنے لگا اچھا تو پھر اس سے پوچھو کہ تم کون ہو۔ وزیر نے پوچھا کہ کیا آپ شیعہ ہیں؟ وہ کہنے لگا نہیں میں تو سُنی ہوں۔ وزیر کہنے لگا کہ مجھے آپ کی اور باتیں تو سمجھ آ گئی ہیں کہ جب میں حضرت علیؓ کی تعریف کرتا تھا تو آپ اس لئے اس تعریف میں شامل ہو جاتے تھے کہ حضرت علیؓ آپ کے نزدیک بھی واجب التعظیم ہیں مگر جب ہم نے یہ کہا کہ بر ہر سہ لعنت تو آپ نے بھی بر ہر سہ لعنت کہا، اس کی وجہ میری سمجھ میں نہیں آئی۔ وہ کہنے لگے جب آپ نے کہا تھا بر ہر سہ لعنت، تو آپ کی مراد تو یہ تھی کہ ابو بکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ پر لعنت ہو مگر جب میں نے بر ہر سہ لعنت کہا تو میرا مطلب یہ تھا کہ وزیر پر بھی لعنت اور بادشاہ پر بھی اور مجھ پر بھی جو ایسے گندے لوگوں کے گھر میں آ گیا ہوں۔ (سیر روحانی جلد اول صفحہ 213-212)

مسجد مبارک، اسلام آباد 2 اپریل 2021 کو سیّدنا امیر المومنین حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نمازِ جمعہ کی ادائیگی کے بعد اپنے دستِ مبارک سے مرکزی چینی ڈیسک کی جدید ویب سائٹ کا اجرا فرمایا۔

یہ صدائے فقیرانہ حق آشنا، پھیلتی جائے گی شش جہت میں سدا
تیری آواز اے دشمن بد نوا! دو قدم دُور دو تین پل جائے گی

پیغامِ صدر

میرے نہایت پیارے بھائیو!

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

خدا کرے آپ سب مع اہل و عیال بفضلہٖ خیریت سے ہوں اور ہمیشہ خیریت سے رہیں۔ آپ سب کو اپنے اپنے علاقہ میں کرونا کے متعلق سرکاری ہدایات مل رہی ہونگی اب ان کے مطابق اب پابندیاں کچھ نرم کی جارہی ہیں۔ ہم نے گزشتہ سہ ماہی میں اس سے فائدہ اٹھا کر ہدایات کی پابندی کرتے ہوئے اجتماعی پرگراموں کا انعقاد بھی کیا ہے۔ آپ اس المنار کے فوٹوز والے حصّہ میں اس کی جھلکیاں ملاحظہ کرسکتے ہیں۔ جوں جوں پابندیوں میں نرمی ہوتی گئی ہم پورے جرمنی میں اپنے پروگرام منعقد کریں گے۔

اس سلسلہ میں آپ کی طرف سے آمدہ تجاویز کی روشنی میں مختلف مقامات پر ادبی پروگرام بھی بنائیں گے۔ ان شاء اللہ

ٹکوسا جرمنی ہر سال پاکستان کے مستحق طلبہ کی مالی مدد کے لئے نظارت تعلیم صدر انجمن احمدیہ کو آپ سے عطیّات لے کر رقم بھجواتی ہے۔ پاکستان میں مہنگائی بھی کافی بڑھ چکی ہے اور الحمد للہ آپ بھائی نمایاں تعاون فرمارہے ہیں۔ گزشتہ چھ ماہ میں دو ملین پچاس ہزار روپے مرکز میں ادا کیے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تمام قربانی کرنے والوں کو اجرِ عظیم سے نوازے۔ اسی طرح افریقہ میں سکول کا پراجیکٹ بھی چل رہا ہے۔ اگلے چھ ماہ میں ہمیں قربانی کے معیار کو اور بلند کرنا ہوگا۔ خدا تعالیٰ پر بھروسہ کرتے ہوئے خاکسار یقین رکھتا ہے کہ تمام بھائی بڑھ چڑھ کر تعاون کریں گے۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء۔

یہ میڈیا کا دور ہے اور اس میں ہمارے لئے ورچوئل ملاقاتیں آسان ہوگئی ہیں۔ اس غرض کے لئے بعض پروگرام کیئے جاتے ہیں جن میں دیگر ممالک کے بھائی بھی شامل ہوتے ہیں اور تعلیم الاسلام کالج کی پرانی یادوں کو تازہ کیا جاتا ہے۔ ان پروگراموں کو بعد میں یوٹیوب پر بھی پیش کیا جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں بھی آپ کی آراء آتی رہیں تو ان سہولتوں سے زیادہ فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ آپ سب کا حافظ وناصر ہو۔ آمین

والسلام

خاکسار

عبدالغفور ڈوگر

(صدر۔ تعلیم الاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن جرمنی)

(پیغام سرپرست ٹکوسا جرمنی)

عرضداشت

اللہ تعالیٰ کا بے حد شکر ہے کہ کرونا کی وجہ سے نامساعد حالات میں بھی ہماری ایسوسی ایشن برادرم مکرم چوہدری عبدالغفور ڈوگر صاحب کی قیادت میں مستعدی سے اپنے بنیادی مقاصد میں آگے بڑھ رہی ہے۔ خدا کرے ان کو آپ کا تعاون اسی طرح حاصل رہے اور آپ حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہِ العزیز کی توقعات پر پورے اترتے رہیں۔ میں اپنے بھائیوں کی یاددہانی کے لئے گاہے بگاہے عرض کرتا رہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَ لِكُلٍّ وِّجۡهَةٌ هُوَ مُوَلِّيۡهَا فَاسۡتَبِقُوا الۡخَيۡرٰتِ ؕ (البقرۃ۔149)

"اور ہر ایک کے لئے ایک مطمحِ نظر ہے جس کی طرف وہ منہ پھیرتا ہے۔ پس نیکیوں میں ایک دوسرے پر سبقت لے جاؤ"۔

ہماری ایسوسی ایشن کا قیام کا بھی یہی بنیادی مقصد ہے۔ مشاعرے اور دوسرے اجتماعات ثانوی حیثیت رکھتے ہیں۔ ہم نے حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدّہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت میں ازخود پیشکش کی تھی کہ ہم اس احسان عظیم کے شکرانہ کے طور پر جو تعلیم الاسلام کالج کا ہم پر ہے، پاکستان کے غریب اور مستحق طلباء کے لئے حسب توفیق سالانہ وظائف کی صورت میں مالی اعانت کریں گے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ اور آپ بھائیوں کے تعاون کے ساتھ ہمیں اس وعدہ کو نباہنے کی توفیق مل رہی ہے اور ہر سال ہماری ایسوسی ایشن کا قدم اس خدمت کے اعتبار سے آگے بڑھتا جا رہا ہے۔ خدا کرے اس معاملہ میں ہمارے قدموں میں سستی نہ آئے۔ دوسرا مقصد جو حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدّہ اللہ تعالیٰ بنصرہِ العزیز نے ازخود ہمارے لئے تجویز فرمایا تھا وہ رسالہ "المنار" اجراء تھا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے محترم چوہدری محمد کولمبس خاں صاحب بطور مدیر اعلیٰ اس انتہائی مشقت طلب اور مشکل ترین کام کو تن تنہا باقاعدگی اور بڑی خوبی کے ساتھ سرانجام دے رہے ہیں۔ وہ ہمارے دلی شکریہ اور دعاؤں کے مستحق ہیں۔ اللہ تعالیٰ محترم چوہدری محمد کولمبس خاں صاحب کو اس بے لوث خدمت کا اجرِ عظیم عطا فرمائے۔ آمین

دوسری گزارش کرنا ہے کہ ہماری ایسوسی ایشن کے نئے عہدہ داروں کا انتخاب کرونا کے حالات بہتر ہونے پر اب ان شاء اللہ ہو گا۔ اللہ کرے کہ جن خدمت گزاروں کا انتخاب ہو وہ ایسوسی ایشن کے بنیادی مقصد کو پورا کرنے والے ہوں۔ اس سلسلہ میں حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدّہ اللہ تعالیٰ بنصرہِ العزیز کا ارشاد موصول ہو چکا ہے کہ ووٹ کا حق انہی کو ہو گا جو کم از کم بنیادی ممبر شپ ادا کرتے ہیں۔

میری صحت کی کمزوری تقاضا کرتی ہے کہ میں اپنی گزارش ختم کرنے سے قبل میں آپ تمام دوستوں کا تہہ دل سے شکریہ ادا کروں جن کے تعاون سے ہمیں اس خدمت کی توفیق ملتی رہی ہے۔ ساتھ ہی ساتھ ہیں تمام پیارے دوستوں سے عاجزانہ معافی کا بھی طلبگار ہوں جن کو کسی وقت بھی دانستہ یا نادانستہ میں نے ناراض کیا ہو یا کسی قسم کی تکلیف پہنچائی ہو۔ اللہ تعالیٰ آپ سب کو اپنی خاص راہنمائی سے نوازتا رہے اور ہر قدم پر اپنی حفاظت میں رکھے۔ آمین

خاکسار حمید احمد چوہدری

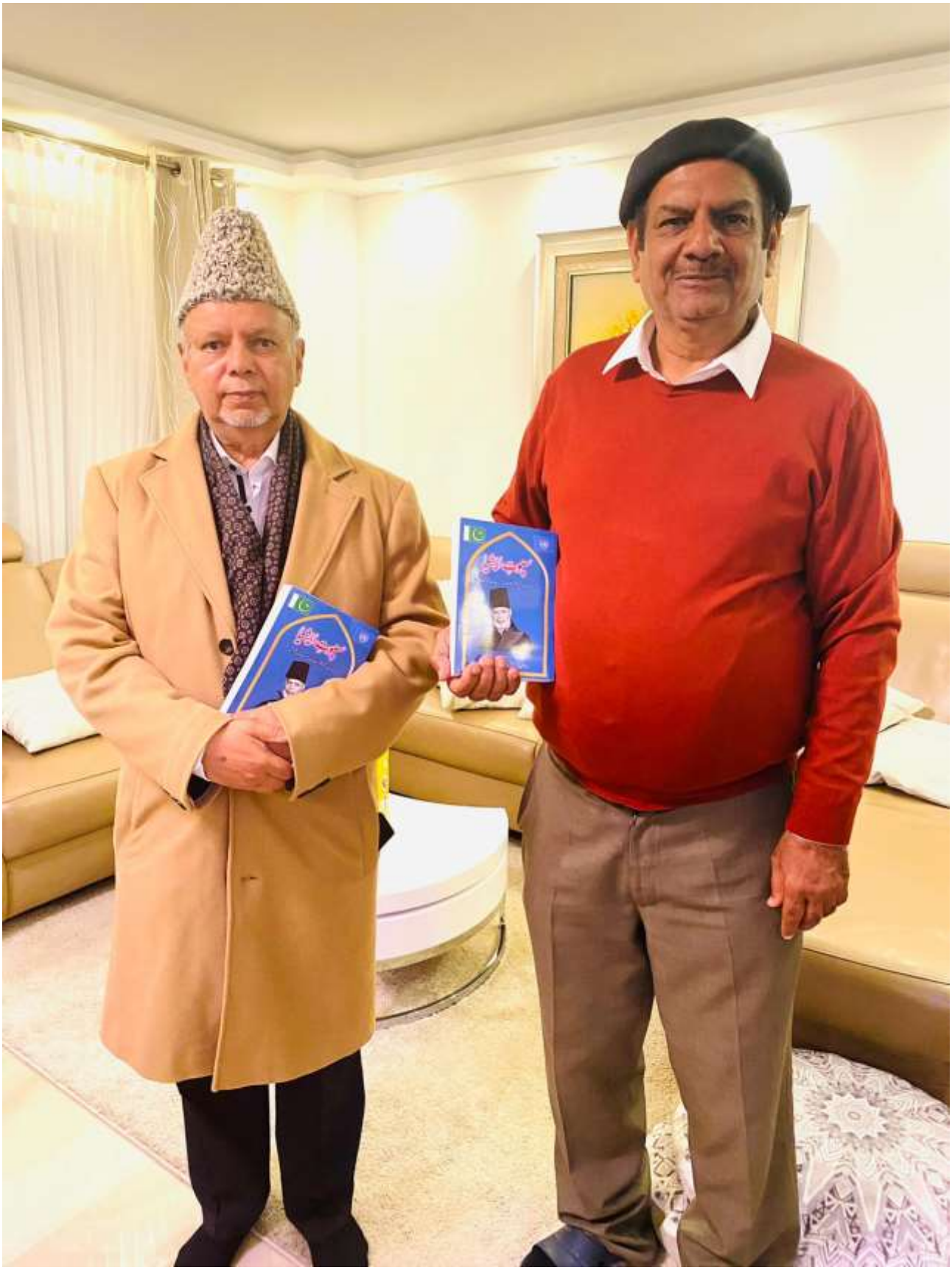

مرا مطلوب و مقصود و تمنا خدمت خلق است   ہمیں کارم ہمیں بارم ہمیں رسمم ہمیں راہم

کچھ ایسے لوگ بھی دنیا میں پائے جاتے ہیں
جہاں بھی جائیں دیئے ہی جلائے جاتے ہیں
یہ آزمائشیں یوں ہی عطا نہیں ہوتیں
جو لوگ خاص ہوں وہ آزمائے جاتے ہیں
وہ شخص صورت خورشید جب نکلتا ہے
تو رنگ و نور میں ہم بھی نہائے جاتے ہیں
اسے بھی پیار ہے ان سے جو دل شکستہ ہوں
سو اس کی بزم میں ہم بھی بلائے جاتے ہیں
توکل مِلا کے مجھے بات یہ سمجھ آئی
جو نیک لوگ ہوں اکثر ستائے جاتے ہیں
مرا یقین ہے یہ خامشی یہ گہرا سکوت
یہ لوگ خود نہیں آتے یہ لائے جاتے ہیں

(مبارک احمد صدیقی)

دِل شکستہ ہم نہ ہوں گے ظلم کی یلغار سے
خود کو وابستہ رکھیں گے قافلہ سالار سے
اِک تعلق ہے ہمارا یوسفِ دوراں کے ساتھ
ایک نسبت ہے ہمیں اس عہد کے اوتار سے
عمر بھر جو دشنۂ و تلوار پر رقصاں رہے
کیا ڈراؤ گے انہیں تم وادیٔ پُر خار سے
کر رقم تنہائیوں میں قصۂ جور و جفا
بارِ دل کچھ کم تو ہوگا درد کے اظہار سے
ذکر کیوں کرتے ہوں مجھ سے گوہرِ نایاب کا
اُس کو کیا نسبت ہے میرے دیدۂ نمدار سے
عشق کی یہ دھوپ ہی جب زندگی کی چھاؤں ہو
کیوں نہ مستغنی ہوں یوسؔف سایۂ اشجار سے

(راجہ محمد یوسف خاں)

سفر وسیلۂ ظفر

جہاز میں سفر کرتے ہوئے خیال آیا کہ اب جہاز دمشق پہنچنے والا ہے کیوں نہ باہر کا نظارا لیا جائے اس وقت سورج غروب ہونے کے قریب تھا جس سے سورج کی شعاعیں ارد گرد کے پہاڑوں پر گر رہی تھیں اور پہاڑ سونے کے پہاڑوں جیسے لگ رہے تھے۔

بڑا دلکش نظارا تھا جو آنکھوں کو بھا رہا تھا مگر تب ہی گھر والوں کا خیال ستانے لگا اور سنجیدگی و اداسی نے جگہ لے لی انہی خیالات میں محو تھا کہ پائیلٹ نے اعلان کیا کہ ہم دمشق پہنچنے والے ہیں اور پھر کچھ آدھ گھنٹہ بعد جہاز دمشق ائیر پورٹ پر لینڈ کر گیا۔

دمشق کا ائیر پورٹ بہت خوبصورت تھا اس وقت جدہ میں شام کے آٹھ اور دمشق میں شام کے تقریبا" سات بجے تھے۔

ائیر پورٹ پر بہت ہجوم تھا لوگ اپنے عزیز و اقارب کو لینے آئے ہوئے تھے میں اکیلا کھڑا نا جانے کس کو ڈھونڈھ رہا تھا شائد کسی جاننے والے کو جو اوروں کیطرح مجھے بھی لینے آیا ہو مگر یہ ممکن نہ تھا۔

میں نے دمشق کے حسن کے متعلق بہت کچھ سن رکھا تھا آج پہلی مرتبہ اس نئے دیس اور اسکے باسیوں کو دیکھ رہا تھا یہاں کے لوگ بہت وجیہہ اور خوبصورت تھے اور اسی طرح عورتیں بھی خوبصورت سمارٹ اور مغربی طرز کا سکرٹ کیطرح آدھا لباس پہنے ہوئے نظر آ رہی تھیں۔ایران اور دمشق کے حسن کے متعلق بہت کچھ سن رکھا تھا مگر آج پہلی مرتبہ قدرت نے دیکھنے کا موقع دیا تھا۔خوبصورتی تو سعودیہ عرب میں بھی بہت تھی مگر پردے میں بند۔ خیر میں تھوڑی دیر بعد اپنا سامان تلاش کرنے لگ گیا۔ویزہ تو میں جدہ سے لیکر آیا تھا لہذا انٹری میں کوئی دقت پیش نہیں آئی۔

سامان لیکر ائیر پورٹ سے باھر آیا تو ایک ٹیکسی والے سے کہا کہ شہر جانا ہے اس نے دس پونڈ کرایہ مانگا یہ سن کر میرا ماتھا ٹھنکا اور دل نے کہا کہ یہ تو بہت مہنگا شہر ہے تب ہی مجھے یاد آیا کہ جدہ میں ایک پاکستانی دوست نے بتایا تھا کہ دمشق ائیر پورٹ سے شہر کیلئے بس بھی چلتی ہے جو (ایک لیرا لوکل کرنسی) کرایہ لیتی ہے سوچا کیوں نہ اس میں سفر کیا جائے لہذا میں اپنا وزنی سامان اٹھا کر ائیر پورٹ سے باھر کیطرف روانہ ہو گیا۔ابھی ائیر پورٹ سے باھر نکلا ہی تھا کہ آگے سے بسیں نظر آنا شروع ہو گئیں اور ہماری طرح ہی بسوں کے باھر کنڈکٹر کھڑے آوازیں لگا رہے تھے۔ ایک پولیس مین میری طرف دیکھ رہا تھا کہ باھر سے آیا ہے اور اسکے پاس وزن کافی ہے وہ خود ہی میری مدد کو آگے بڑھ آیا اور سارا سامان بس میں رکھوا دیا تھوڑی دیر بعد بس شہر کی طرف روانہ ہو گئی جب بس کنڈکٹر سے ٹکٹ کے متعلق معلوم کیا تو پتہ چلا کہ ایک لیرا یعنی پونڈ سے بھی کم کرایہ تھا بعد میں مجھے پتہ چلا کہ مقامی لوگ لیرا کو پونڈ بھی کہتے ہیں جو کہ برطانوی پونڈ سے کافی کم تھا۔

اپنا سامان لیکر جب میں دمشق کے بس سٹاپ پر اترا تو بہت پریشان تھا کہ اب کہاں جاؤں اور کس طرف جاؤں تبھی میں نے ایک نوجوان لڑکے کو اشارہ کرکے اپنی طرف بلایا اور اس سے انگلش

میں پوچھا کہ کیا تم انگلش بول سکتے ہو اس نے جواب دیا تھوڑی تھوڑی میرے لئے یہ کافی تھا میں نے اس سے کہا کہ تم رہائش کیلئے سستا ہوٹل ڈھونڈنے میں میری مدد کر سکتے ہو؟ وہ بھی تھوڑی بہت انگلش بول کر بہت خوش تھا اس نے ایک لوکل ٹیکسی روکی اور اسے بتایا کہ ان صاحب کو فلاں ہوٹل لے جاؤ اور ایک پرچی لکھ کر ہاتھ میں پکڑا دی کہ ہوٹل المسکین الکبیر چلے جاؤ اس ہوٹل کا مالک پاکستانی مسلمان ہے کیونکہ جب انڈین پاکستانی دمشق آتے ہیں تو اسی ہوٹل میں قیام کرتے ہیں۔ کیوں کہ ان کے آگے ملازم بھی پاکستانی ہیں۔ یہاں کی تمام زیارتوں کا انکو پتہ ہے۔ اور وہ اچھی طرح ان تمام زیارتوں کی سیر کا بندوبست بھی کر دیتے تھے۔

غرض کے درمیانہ درجہ کا معقول ہوٹل تھا۔ یہاں آتے ہی میری ملاقات ایک انڈین شیعہ فیملی سے ہوگئی جو زیارتوں کی غرض سے یہاں آئی ہوئی تھی۔ اس فیملی میں میاں بیوی اور انکے دو بچے جن میں ایک بیٹا اور بیٹی تھی۔ یہ فیملی کویت میں سیٹل تھی وہاں انکے اپنے کاروبار تھے۔ ایک ہی ہوٹل میں ٹھہرنے کیوجہ سے میری ان سے اچھی ہیلو ھائے ہوگئی تھی وہ جب زیارتوں کیلئے جاتے تو مجھے بھی زیارتوں کیلئے ساتھ جانے کی آفر کرتے لہٰذا ایک دو دن بعد ان سے کچھ بے تکلفی ہوگئی اور انکے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھالیتا اور سیر کیلئے بھی انکے ساتھ ہی چلا جاتا اور ہوٹل کے لان میں رات کو بیٹھ کر کئی گھنٹے باتیں کرتے۔ دمشق میں سیر کیلئے میں تین دن کے لئے آیا تھا مگر یہاں آنے کے بعد کچھ دل سا لگ گیا تھا لہٰذا کچھ دن اور قیام کرنا پڑ گیا۔

اس دوران اس فیملی نے اپنی لڑکی سے رشتہ کی آفر کر دی اور کہا کہ ہمارے کویت میں بہت کاربار ہیں تم کوشش کر کے وہ کاروبار سنبھال لو۔ اب آپکو آگے جانے کی ضرورت نہیں آپ اب ہمارے ساتھ کویت چلو۔ لیکن اسوقت میرا ذہن کسی اور طرف تھا ایک تو میں پکا احمدی مسلمان جسکی وجہ سے مجھے سعودیہ چھوڑنا پڑا اور دوسرا اپنے ماں باپ بھائی جنکے لئے میں پاکستان چھوڑ کر باھر نکلا کہ گھر کے کچھ حالات اچھے ہو جائیں۔ ابھی تازہ حج اور چھ عمرے کر کے آیا تھا جنکا اثر میرے دماغ پر تھا۔ میں نے ان سے کچھ وقت کی مہلت مانگی کہ میں اپنی فیملی سے اجازت کے بغیر کچھ نہیں کر سکتا اجازت ملنے میں کچھ وقت لگے گا ھاں بعد میں میں آپکے پاس آجاؤں گا۔ میری اس بات پر وہ راضی ہوگئے اور کوئی ناراضگی کا اظہار نہیں کیا۔

اسی دوران دو پاکستانی بھائیوں کی فیملی بھی دمشق سیر کیلئے آئی جو اسی ہوٹل میں ٹھری ہوئی تھی جو اب دمشق کی سیر کے بعد بیروت کی سیر کا ارادہ رکھتے تھے اس موقع کو غنیمت جان کر میں بھی ان دو بھائیوں کے ساتھ بیروت جانے کو تیار ہوگیا میں نے ضروری سامان لیکر تیاری پکڑ لی ہم نے بذریعہ ٹیکسی یہ سفر کرنے کا فیصلہ کیا کیونکہ یہ دونوں بھائی ابھی ابھی پاکستان سے آئے تھے ان سے پتہ چلا کہ انڈیا کی پاکستان سے جنگ لگی ہوئی ہے اور بنگلہ دیش آزاد ہونے والا ہے۔ اسوقت یہ تمام حالات سن کر بہت پریشان ہوا۔ تمام سیر کا مزا کرکرا ہوگیا۔ لیکن سفر کے درمیان کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ اسوقت ٹی وی یا پھر آجکل جیسا خبریں دینے والا میڈیا تو تھا نہیں بس ادھر ادھر سے کچھ حالات کی خبر مل جاتی تھی۔ خیر بیروت کا سفر شروع ہوا ٹیکسی ڈرائیور بھی مسلمان تھا جو ہمارے ساتھ گفتگو میں شامل ہوگیا اور افسوس کا اظہار کرنے لگا۔

ہماری ٹیکسی تقریباً پانچ بجے شام کو بیروت پہنچی اتوار کا دن تھا سڑکوں پر کافی چھل پہل تھی۔ بیروت دمشق سے بھی زیادہ خوبصورت لگا شہر کے درمیان ایک چوک ٹاور پر بڑی سی گھڑی لگی ہوئی تھی گھڑی کے دوسری طرف باغ تھا۔ بیروت کی خوبصورتی کا کیا کہنا اگر یہ کہا جائے کہ اس وقت مڈل ایسٹ کا سب سے

خوبصورت شہر تھا تو غلط نہ ہوگا۔

ہم نے یہاں ایک ہوٹل لیا جو شہر کے مرکز میں تھا۔ یہاں کے لوگ بہت پر خلوص اور محبت کرنے والے تھے اگر کسی سے کوئی معلومات جگہ پوچھنی ہوتی تو بہت سے لوگ جمع ہو جاتے اور راستہ بتانے کی کوشش کرتے۔ لوگوں نے ہمیں بتایا کہ یہاں ایک ٹورسٹ بس چلتی ہے جو کہ پورے بیروت شہر بلکہ بیروت سے باھر بھی سیاحوں کو لیکر جاتی ہے اور سیاحتی مقامات کی سیر کرواتی ہے ہم نے بھی سوچا کہ ایک ہی دفعہ تمام جگھوں کی سیر کر لی جائے سو ہم نے بھی بس میں بیٹھ گئے۔ اور بیروت سے باھر اس علاقہ تک گئے جو اسرائیل کا بارڈر تھا اور اسرائیل نے فلسطین کی زمین پر قبضہ کیا ہوا تھا۔ یہاں کا ٹھنڈا سمندر بہت مشہور تھا اور اس کے علاوہ اس وقت کی بڑی بلڈنگیں اور یونیورسٹیاں جو اس زمانہ کے حساب سے بہت مشہور تھیں۔ اور دور دور کے ممالک سے لوگ پڑھنے کیلئے آتے تھے۔ بازار اور سڑکیں پر رونق مگر میرا دل ان سے اداس تھا کیونکہ میرا ملک دولخت ہو رہا تھا۔

اس زمانہ میں بیروت کے لوگ مل جل کر رھتے تھے یہاں آباد مسلمان و یہودی اور عیسائی آبادی ہے مگر سب مل جل کر رھتے ایک ہی طرح کا لباس پہنتے اور زبان بھی سب کی عربی غرض کسی قسم کا کوئی تعصب یا منافرت نہ تھی یہ نفرت جنگ کے بعد درآئی ان میں اور جسکے اثرات ابھی تک باقی ہیں۔ بیروت میں ہم نے مل کر راتیں گزاری جو آجتک یاد آتی ہیں۔ تین دن اور دو راتیں بیروت گزارنے کے بعد ہم واپس دمشق لوٹ آئے بیروت میں گزارے لمحات اور وھاں کی سیاحت بڑی پر لطف تھی جو آجتک دماغ میں ویسے کی ویسی ہی تر تازہ ہے۔ جب ہم دمشق کی طرف روانہ ہوئے تو راستے میں وھاں برف باری شروع ہو چکی تھی یہ میں پہلی دفعہ برف باری کا منظر دیکھ رہا تھا اس سے پیشتر عرب کے صحرا کی گرمی دیکھی تھی۔ بیروت سے دمشق کی طرف سوائے کار یا ٹیکسی کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ نہیں کیونکہ راستے میں بڑے بڑے پہاڑ بھی پڑتے ہیں جو کہ برف باری کیوجہ سے برف سے ڈھک چکے تھے۔ اس موقع پر میں نے کافی مناظر کو کیمرے کی آنکھ سے تصویروں میں قید کرنا شروع کر دیا خدا خدا کر کے ہم دمشق واپس اپنے ہوٹل پہنچے وہاں وہی انڈین فیملی ابھی تک ٹھہری ہوئی تھی اور شدت سے میرا انتظار کر رہی تھی۔ کیونکہ اگلے دن انہوں نے شام کو کسی شیعہ احباب کے زیارتی مقام کی طرف جانا تھا جو دمشق سے ڈیڑھ سو کلو میٹر دور تھا۔

صبح ہوتے ہی ترکی کیلئے روانگی ہوگئی ترکی جانے کیلئے میں کافی معلومات پہلے ہی حاصل کر چکا تھا۔ ایک واقعہ مجھے یاد آگیا جو مجھ پر عجب گزرا اسکو میں کبھی بھلا نہیں سکوں گا اسکو بھی بیان کرتا چلوں۔ جب میں ٹیکسی لیکر ہوٹل سے بس اسٹاپ پر پہنچا جہاں سے مجھے دمشق سے حلب جانا تھا حلب انٹر نیشنل بس اسٹاپ تھا اسوقت میں بس اسٹاپ پر اکیلا کھڑا تھا بس کا انتظار کر رہا تھا تبھی چند لوگ مرے ارد گرد جمع ہوگئے اور میری طرف دیکھ کر عربی میں عجیب انداز سے باتیں کرنا شروع ہوگئے اور درمیان میں میری طرف اشارے بھی کرتے اور عجیب نظروں سے گھورتے بھی تھے چند تو اچھے انداز سے (جو مجھے لگ رہا تھا انکا انداز) اور کچھ غصہ سے عربی میں ایکدوسرے کو کہ رہے تھے مجھے اتنا ضرور محسوس ہو رہا تھا کہ وہ میرے متعلق بات کر رہے ہیں پھر اچانک وہ آپس میں مرنے مارنے کو تیار ہوگئے مگر مجھے انکے چند الفاظ کے علاوہ کچھ سمجھ نہیں آرہی تھی سعودیہ میں رھنے کے باوجود بھی میں عربی کے چند الفاظ سے زیادہ نہیں سیکھ پایا تھا۔ میں بڑی حیرانگی سے اس ہجوم کو دیکھ رہا تھا کہ اسی دوران میری حلب جانے والی بس آگئی اور میں نے بس میں اپنا سامان رکھوانہ شروع

کر دیا ہمارے ملک کی طرح وہاں بھی کنڈ کٹر باھر کھڑے ہوتے ہیں اور مسافروں کے سامان رکھوانے میں مدد کرتے ہیں میں نے سامان رکھوا کر ابھی بس میں سوار ہونا ہی چاہا تھا کہ ہجوم جو مجھے دیکھ کر باتیں کر رہا اس میں سے چند لوگوں نے مجھے نیچے کھینچنا شروع کر دیا مگر ان میں سے کچھ لوگ نہیں نہیں جاسوس کہہ کر انکو روک رہے تھے اسی دوران میں نے اپنی قمیض چھڑوا کر بس میں سوار ہو گیا وھاں ایک مسافر نے مجھے بتایا کہ یہ تمہیں پاکستان کا جاسوس سمجھ رہے تھے جو کہ پاکستان سے ہماری جاسوسی کرنے آیا ہے کیونکہ اسوقت پاکستان، بنگلہ دیش انڈیا کی جنگ کے علاوہ اردن اور شام کی جنگ بھی لگی ہوئی تھی جس میں پاکستانی فوج اردن کی طرف سے لڑ رہی تھی اس مسافر نے بتایا اس لئے یہ لوگ تمہیں جاسوس سمجھ کر مارنے کی باتیں کر رہے تھے مگر ان میں سے کچھ لوگ مجھے جاسوس نہیں مسافر سمجھ کر دوسروں کو روک رہے تھے اور کہہ رہے تھے اسے جانے دو یہ مسافر ہے جاسوس نہیں۔ خدا نے مجھے اس وقت غیبی مدد سے بچایا اچھے لوگ ہر جگہ موجود ہوتے ہیں۔ ورنہ اس دن میں وہیں ختم ہو چکا ہوتا اور زندگی کا وہ سفر شروع ہوتے ہی ختم ہو گیا ہوتا۔ جرمنی میں آمد اور اسوقت کے حالات انشاء اللہ اگلی قسط میں بیان کروں گا۔

روزنامہ الفضل ۲۴ جولائی ۱۹۵۵ء

Digitized by Khilafat Library Rabwah

تعلیم الاسلام کالج ربوہ کے

ایف۔ اے۔ ایف۔ ایس۔ سی کے نتائج

کالج کے طالب علم منور احمد سعید یونیورسٹی بھر میں اوّل رہے

تعلیم الاسلام کالج کا ایک طالبعلم عزیزم منور احمد سعید رول نمبر ۱۰۸۴۹ ایف۔ اے کے امتحان میں یونیورسٹی بھر میں اوّل رہا۔ اس نے ۴۷۴ نمبر حاصل کئے ہیں۔

یاد رہے کہ ایف۔ اے۔ ایف۔ ایس سی میں ساری یونیورسٹی میں کل ۱۲۶۶۰ طلبہ شریک امتحان ہوئے جن میں سے صرف ۴۱۲۹ امیدوار کامیاب ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہمارے کالج کی اوسط ایف۔ اے، ایف ایس میڈیکل اور نان میڈیکل ہر سہ امتحانات میں یونیورسٹی کی اوسط سے بہتر رہی۔ چار طلبہ کے وظیفہ آنے کی امید واثق ہے۔

توہین مذہب کے قوانین: مکالمہ کی ضرورت

از ابو نائل۔ بشکریہ "ہم سب" مورخہ 11 جون 2021

کچھ روز قبل مکرمی وجاہت مسعود صاحب کا ایک ویڈیو کالم ”کیا ریاست کا کوئی مذہب ہوتا ہے؟“ سننے کا موقع ملا۔ اس کے آخر میں یہ نتیجہ پیش کیا گیا کہ اگر کسی ریاست میں ایک مذہب کو ریاست کا مذہب قرار دے دیا جائے تو اس ریاست میں دوسرے مذاہب سے وابستہ لوگوں سے برابر کا سلوک نہیں کیا جاسکتا کیونکہ ان کے عقائد سرکاری مذہب کے مطابق نہیں ہوں گے۔

اس کالم میں اس سے ایک قدم آگے جا کر ”توہین مذہب“ کے تصور کا جائزہ لیا جائے گا۔ ہر مذہب یا عقیدہ یا مسلک کے کچھ بنیادی نظریات ہوتے ہیں اور وہ ایک دوسرے سے بالکل مختلف بلکہ متصادم ہو سکتے ہیں۔ جیسا کہ اس کالم میں جائزہ لیا جائے گا، ایک مسلک کے بنیادی عقائد کو دوسرے مذہب کی نظروں سے دیکھا جائے تو وہ ”توہین مذہب“ کے زمرے میں آئیں گے۔ اس کے علاوہ ”توہین“ کی اصطلاح بھی ابہام کا پہلو رکھتی ہے۔

حال ہی میں خیبر پختونخوا کی صوبائی اسمبلی میں ایک قرارداد منظور کی گئی ہے جس میں صحابہ رضی اللہ عنہم اور اہل بیت کی توہین کو بلاسفیمی قرار دے کر اس کی سزا موت یا عمر قید مقرر کرنے کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ اس قانون کے عملی اطلاق پر بھی یہ سوال اٹھے گا کہ ”توہین“ کا مطلب کیا ہے؟

پاکستان میں ایسا لٹریچر بھی شائع ہوا ہے جس کی رو سے اگر ایک شخص اپنی مونچھیں کتروائے اور اس کی بیوی کہے کہ یہ کیا یہ آدمیوں والی شکل ہے؟ یا یہ کہا کہ یہ کیا منحوسوں والی شکل بنائی ہے۔ تو یہ توہین ہے اور اس کے نتیجہ میں یہ عورت مرتد ہو جائے گی۔ اور اگر توبہ بھی کرلے تو اس کا نکاح دوبارہ پڑھانا پڑے گا۔ [**کفریہ الفاظ اور ان کے احکامات مصنفہ عبدالشکور قاسمی صفحہ** 50]

ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک مسلک کی کتب میں مقدس ترین ہستیوں کی بلند شان کے بارے میں جو تعریفی عبارت درج ہوتی ہے، دوسرا فرقہ اسے توہین بلکہ کفر قرار دے دیتا ہے۔ اس کالم میں تفصیلات اس لئے درج نہیں کی جاتیں کیونکہ اس کے نتیجہ میں فرقہ وارانہ کشیدگی بڑھے گی۔ اس لئے ایک مثال پیش کرنے پر اکتفا کی جاتی ہے۔ دارالعلوم دیوبند کے بانی مولانا قاسم نانوتوی صاحب کی کتاب تحذیر الناس کی بعض عبارات پر بریلوی احباب کے قائد احمد رضا خان صاحب نے نہ صرف شدید اعتراضات کیے بلکہ اپنی کتاب حسام الحرمین میں ان کی بنا پر کفر کا فتویٰ بھی دیا اور اس کتاب میں مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے علماء کی طرف سے صادر کیے گئے کفر کے فتوے بھی شائع کیے۔

جب ہم تاریخی حقائق کا جائزہ لیتے ہیں تو خاص طور پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور کے آخر میں اور آپ کی شہادت کے فوری بعد ایسا پُرفتن وقت تھا جس کے بارے میں ہر فرقہ کا اپنا موقف ہے۔ اس دور میں وہ افسوسناک وقت بھی آیا جب کبار صحابہ ایک دوسرے کے خلاف جنگ کے لئے صف آراء بھی ہوئے۔ اور اس دور کے تاریخی حقائق کے بارے میں ایک فرقہ کے بیان کو دوسرا فرقہ توہین آمیز قرار دے سکتا ہے۔ پاکستان میں توہین مذہب کے مقدمات قائم کرنے کی ایک تاریخ ہے۔ اس پس منظر میں جائز طور پر یہ خدشات

سر اٹھاتے ہیں کہ ان تاریخی واقعات کے بارے میں اپنے موقف کے اظہار کو بھی توہین صحابہ قرار دے کر مقدمات قائم کرنے کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو سکتا ہے۔

خلافت اور امامت کے مسئلہ پر اہل تشیع اور اہل تسنن احباب کے اپنے اپنے نظریات ہیں اور ہر شہری کی طرح انہیں اپنے نظریات اور عقائد کا پورا حق حاصل ہے۔ اگر اس سوچ کو معیار بنایا جائے تو ان احباب پر محض اپنے عقائد کے اظہار کی وجہ سے توہین مذہب کا مقدمہ قائم کیا جا سکتا ہے۔ اور اس بات پر تبصرہ کرنے کی ضرورت نہیں کہ اس سے کیا خطرناک نتائج نکل سکتے ہیں۔ اس صورت حال میں ریاست کے مذہب سے آگے قدم بڑھا کر ریاست کا فرقہ بھی مقرر کرنا پڑے گا۔

اور اس سلسلہ میں یہ اکثر، یہ حقیقت فراموش کر دی جاتی ہے کہ اگر پاکستان کو یہ حق حاصل ہے کہ اکثریت کے نظریات کے خلاف موقف کے اظہار کو توہین مذہب قرار دے تو پھر یہی حق دوسرے مذاہب کے لوگوں کو دینا پڑے گا اور جس طرح ہندوستان میں ہندو احباب کی اکثریت ہے دنیا کے کئی ممالک میں مسیحی احباب اکثریت میں ہیں۔

اسلام کی بنیاد توحید ہے اور مسلمانوں کے عقیدہ کے مطابق کسی قسم کا شرک گناہ عظیم ہے۔ اور مسیحی احباب یقین رکھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بیٹے ہیں۔ دوسری طرف قران شریف کی سورۃ مریم میں مسیحی احباب کے ان نظریات کو مکمل طور پر اور سختی سے رد کیا گیا ہے۔ اگر کسی ایسے ملک میں جس میں مسیحی احباب اکثریت میں ہیں یہ قانون بنا کر اس قسم کے نظریات کے اظہار کو توہین مذہب قرار دے کر اس کی سزا عمر قید یا سزائے موت مقرر کر دی جائے تو ظاہر ایسے قانون سے مسلمانوں کی مذہبی آزادی سلب ہو گی۔ اور اگر اس قسم کا سلسلہ جاری رکھا جائے تو پوری دنیا میں کسی کی بھی مذہبی آزادی سلامت نہیں رہے گی۔ قرآن مجید میں بُت پرستی کی شدید ترین مذمت کی گئی ہے۔ ہم سب جانتے ہیں کہ ہندو مذہب سے وابستہ احباب مختلف دیوتاؤں اور دیویوں کی پرستش کرتے ہیں۔ یہ ان کا مذہب ہے اور ہر انسان کی طرح انہیں اپنے مذہب پر عمل کرنے کا پورا حق ہے۔ بھارت میں ہندو مذہب سے وابستہ لوگوں کی اکثریت ہے۔ اگر بھارت میں یہ قانون بنا دیا جائے کہ ہم اس قسم کے نظریات کی اشاعت اور ان کے اظہار کی اجازت نہیں دے سکتے کیونکہ اس میں ہمارے مذہب کی توہین کی گئی ہے تو اس سے مسلمانوں کی مذہبی آزادی بُری طرح مجروح ہو گی۔ اور اس پر احتجاج کیا جائے گا۔

لیکن اسی طرح مسلمان ممالک میں بھی ہر مذہب اور مسلک سے وابستہ شہریوں کو مکمل طور پر مذہبی آزادی دینی پڑے گی۔ خاص طور پر "توہین مذہب" کی آڑ میں بلا سفیمی Blasphemy کی سزائیں نافذ کی گئیں تو اس سے دنیا بھر میں ایسا ردِ عمل پیدا ہو سکتا ہے جس کے جن کو واپس بوتل میں ڈالنا کسی کے بس میں نہیں ہو گا۔ مختصر طور پر یہ ذکر کرنا ضروری ہے کہ بھارت اور بعض یورپی ممالک میں انتہا پسند عناصر کی طرف سے ایسی پابندیوں کا مطالبہ سَر اٹھا رہا ہے اور ان ممالک میں کروڑوں مسلمان آباد ہیں۔ اس لئے پاکستان میں کی جانے والی کسی قانون سازی کو عالمی منظر سے الگ کر نہیں پرکھا جا سکتا۔ بہتر ہو گا اگر پاکستان میں ایک وسیع مکالمہ کی صُورت میں اِن قوانین اور ان کے اطلاق کا از سرِ نو جائزہ لیا جائے۔

پاکستانی وزیر خارجہ کے بیان پر تبصرہ

(مکرم ڈاکٹر محمد داؤد مجوکہ)

گذشتہ دنوں پاکستان کے وزیر خارجہ عزت مآب جناب شاہ محمود قریشی صاحب نے جرمنی کا دورہ کیا۔ اس دوران ان کی جرمن وزیر خارجہ کے ساتھ مشترکہ پریس کانفرنس بھی ہوئی۔ پریس کانفرنس میں موصوف سے پاکستان میں اقلیتوں خصوصاً احمدیوں، مسیحیوں وغیرہ کے حقوق کے حوالے سے ایک سوال پوچھا گیا۔ اس کے جواب میں انہوں نے احمدیوں کا تو ذکر ہی نہیں کیا جبکہ مسیحی آسیہ بی بی صاحبہ کا اشارۃً حوالہ دیا اور کہا کہ پاکستان میں اقلیتوں کو تمام حقوق حاصل ہیں۔ سپریم کورٹ نے کچھ عرصہ قبل ہی اِس کیس میں خاتون کو بری قرار دیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ پاکستان کا نظام عدل کچھ کام کر رہا ہے۔ نیز دعوت دی کہ صحافی حضرات پاکستان آکر خود حالات کا مشاہدہ کریں۔

محترم وزیر خارجہ صاحب پاکستان کی خدمت میں عرض ہے کہ اکتوبر ۲۰۲۰ء میں جرمن حکومت کی جانب سے دنیا میں مذہبی آزادی کے حوالے سے جو رپورٹ شائع کی گئی اس میں پاکستان کا تفصیلی ذکر موجود ہے۔ آسیہ بی بی کا کیس بھی پوری جزئیات کے ساتھ اس میں درج ہے۔ احمدیوں کے حقوق کی مسلسل اور ظالمانہ پامالی اور پاکستان میں ان کے خلاف قوانین کی تفصیل بھی درج ہے۔ اس سے چند ماہ قبل، جولائی ۲۰۲۰ء میں جرمن وزارت داخلہ نے پاکستان پر جو خاص رپورٹ شائع کی اس میں پاکستان میں اہل تشیع اور احمدیوں کے حقوق کی پامالی کا ذکر تفصیل سے موجود ہے۔ پس حقائق تسلیم نہ کرنے سے وہ بدل نہیں جایا کرتے۔

محترم وزیر خارجہ صاحب نے صحافیوں کو دعوت دی کہ وہ پاکستان آکر بچشم خود حالات کا مشاہدہ کریں۔ ماضی میں ایسا بھی ہو چکا ہے اور بار بار ہو چکا ہے۔ سوئٹزرلینڈ، آسٹریا، برطانیہ وغیرہ سے خصوصی ''فیکٹ فائنڈنگ'' مشنز پاکستان جا کر تمام حالات کا مشاہدہ کرکے اپنی رپورٹس مرتب کر چکے ہیں۔ جرمنی، امریکہ، برطانیہ یا دیگر ممالک کی حکومتوں نے پاکستان میں انسانی حقوق پر جو رپورٹس شائع کی ہیں وہ پاکستان میں موجود ان کے سفارت خانوں کے اہلکاروں نے پاکستان کے طول و عرض میں سفر کرکے خود حالات کا جائزہ لینے اور متعلقہ و متاثرہ لوگوں سے مل کر حقائق کو جمع کرنے کے بعد ہی مرتب کی تھیں۔

محض اسی ہفتہ کے حالات جس میں موصوف نے یہ بیان دیا پاکستان میں اقلیتوں کے حقوق کے آئینہ دار ہیں: ایک احمدی مسجد کے میناروں اور محراب کو پولیس کی نگرانی بلکہ سرپرستی میں شہید کیا گیا، دو مسیحی نرسوں کو توہین رسالت کے الزام کے نتیجہ میں بپھرے ہجوم کے غضب سے بمشکل بچایا گیا اور اس وقت وہ سرکاری تحویل میں ہیں۔ ایک کمسن ہندو لڑکی، جسے زبردستی مسلمان بنا کر زبردستی شادی کر دی گئی تھی بمشکل اپنے والدین کے پاس واپس پہنچی۔ ملک کے طول و عرض میں تحریک لبیک والوں نے

فساد برپا کر رکھا ہے جس سے عوام کے معمولاتِ زندگی مفلوج ہو کر رہ گئے ہیں۔ اور ابھی بھی کہا جا رہا ہے کہ پاکستان میں اقلیتوں کو مکمل حقوق حاصل ہیں!

کیا یہ امور انصاف کے تقاضوں کے عین مطابق ہیں کہ جب چاہا جس کو چاہا توہین رسالت کا جواز بنا کر قتل کر دیا، جس کو چاہا مارا پیٹا؟ پاکستان کے گلی کوچوں میں شیعہ کافر، شیعہ کافر کے نعرے انسانی حقوق کا مظہر ہیں؟ ہزارہ کے بے شمار مقتولین کے قبرستان اور ہر چند ماہ بعد ان کے سڑکوں پر نعشیں رکھ کر ہونے والے احتجاج آپ کی نظروں سے اوجھل ہیں؟ ہندو لڑکیوں کو زبردستی مسلمان بنانے اور ان کی زبردستی کی شادیوں کی اطلاع ابھی نہیں پہنچی؟ چلیں مذکورہ بالا معاملات کے بارے میں تو کسی حد تک کہا جا سکتا ہے کہ پاکستان میں موجود بعض شدت پسند عناصر ان کارروائیوں میں ملوث ہیں اگرچہ اس کی ذمہ داری بھی حکومت پر عائد ہوتی ہے لیکن احمدیوں کے بارے میں کیا خیال ہے جنہیں باقاعدہ آئین پاکستان میں غیر مسلم قرار دے کر تعزیرات پاکستان میں ان کے متعلق مخصوص قوانین مقرر کیے گئے ہیں۔ نتیجۃً ان کے خلاف کی جانے والی کارروائیوں کی پشت پناہی پاکستان کی حکومتی انتظامیہ کرتی دکھائی دیتی ہے۔ کیا یہ بنیادی انسانی حقوق کی پامالی میں شمار نہیں ہوتا؟

محترم وزیر خارجہ صاحب نے فرمایا کہ انسانی حقوق کے حوالے سے کوئی ملک بھی پرفیکٹ یعنی کامل نہیں ہے۔ اور سوال کرتے ہیں کہ کیا جرمنی میں صورت حال پرفیکٹ ہے؟ اس پر اور کیا کہا جائے کہ کہیں کی اینٹ، کہیں کا روڑا بھان متی نے کنبہ جوڑا! گویا پاکستان میں ہزاروں کی تعداد میں مذہبی شدت پسندی کی بھینٹ چڑھ کر اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھنے والے اقلیتی برادریوں سے تعلق رکھنے والے مقتولین جرمنی میں اقلیتوں سے تعلق رکھنے کی وجہ سے نوکری یا رہائش حاصل کرنے کے حوالہ سے مشکل میں مبتلا ہونے والے لوگوں کے برابر ہیں؟ کیا یہ موازنہ کسی بھی صورت مناسب ہے؟ سفارتی رکھ رکھاؤ کی وجہ سے منہ پر صاف جواب نہ بھی دیا جائے تو متعلقہ سفارت کار اور حکام بعد میں ہر ملنے والے پاکستانی کو صاف بتاتے ہیں کہ ہمیں معلوم ہے کہ یہ سب بیانات غلط تھے۔ صحافی بھی اس حقیقت سے خوب آشنا ہیں۔

مخلصانہ مشورہ

بیرونِ ملک پاکستانی نژاد جرمن پاکستان کا بھلا ہی چاہتے ہیں۔ اس لیے مخلصانہ مشورہ ہے کہ بجائے اس کے کہ حقائق کا انکار کیا جائے مسائل کو تسلیم کر کے ان کو حل کرنے کی کوشش کی جائے۔ اگر موجودہ حالات میں حکومتی انتظامیہ کوئی بڑا قدم اٹھانے سے قاصر ہے تو بعض چھوٹے چھوٹے اقدامات کر لینے سے بھی حالات کی درستگی کی جانب قدم بڑھایا جا سکتا ہے۔ مثلاً ناموس رسالت اور نفرت انگیز مواد کی اشاعت سے متعلقہ قوانین کو بہتر بنایا جا سکتا ہے۔

نوٹ: یہ مضمون مصنف کے ذاتی خیالات پر مشتمل ہے۔ ادارے کا اس کے مندرجات سے متفق ہونا ضروری نہیں۔ قارئین اپنی قیمتی آرا حسب ذیل ای میل پر بھیج سکتے ہیں۔ شکریہ۔ dawoodmajoka@googlemail.com

بلاوا۔۔۔اور۔۔۔باریابی

(انیس سو اکانوے میں قادیان میں گزارے چار دن)

(مکرم شیخ لئیق احمد صاحب۔کینیڈا)

ٹرین پاکستان کا بارڈر کراس کرتے خاردار تاروں کی دو باڑوں سے گزرتی ہندوستان کی سرزمین میں داخل ہو رہی تھی اور اکتوبر 1947 میں بس کے ذریعہ اسی بارڈر کو پار کرتے پاکستان زندہ باد کا نعرہ لگاتا اپنا بچپن ذہن میں گھوم رہا تھا۔رفتار تیز نہ تھی۔دونوں طرف متاثر کن وردیاں پہنے خصوصی گھڑسوار پولیس دستے ٹرین کی حفاظت کے لئے ساتھ چلنے لگے کہ ابھی انیس سو چوراسی سے چلتے آتے شورش کے خطرات کا اثر باقی تھا۔اٹاری سٹیشن اتر کر سامان اٹھایا اور باہر کھڑی بسوں میں بیٹھ چکے تو مقامی گوردوارے کی طرف سے بھیجے گئے لنگر۔تندوری روٹیوں کے اوپر آلو گوبھی کی لذیذ بھُجیا کا بھوک میں اپنا مزا تھا۔ہم میاں بیوی بڑی بیٹی کے ہمراہ ویسی ہی خستہ حال سرکاری بس میں تھے جیسی پاکستان میں ٹوٹے ہوئے شیشوں زنگ سے پھٹی باڈی اور ٹوٹ کے لٹکتی نظر آتی ہے جس کے پیچھے شان سے لکھا ہوتا ہے :

نہ انجن کی خوبی نہ کمال ڈرائیور۔۔۔۔۔۔خدا کے سہارے چلی جا رہی ہے

اگلے ہی روز ہمارے گھر کے موجودہ مکین اندرجیت سنگھ بابا بھی بتا رہے تھے۔

"بٹالے دیاں لاریاں۔۔نہ بوہے تے نہ باریاں دھکے لان سواریاں"

شام کے سائے پھیل رہے تھے کہ انڈین سیکیورٹی کے زیر حفاظت یہ قافلہ رواں ہوُا۔تھوڑی دور ہی گئے تھے کہ گھٹا ابھری اور چھم چھما چھم بارش شروع۔بسیں کھڑی ہو گئیں۔کسی ایک بس میں ترپال نہیں تھی۔ہر کوئی سامان اتار بس کے اندر پھینک رہا تھا کہ بستر گیلے ہو گئے تو سونا کیسے ہو گا؟۔ادھر میں محض چار ماہ قبل شدید ہارٹ اٹیک سے اٹھا تھا۔مگر ہر ایک اپنا سامان بچانے میں مصروف تھا باپ بیٹی بس پہ چڑھے اور پھر بس کے اندر کسی طرح گھس کے بیٹھے۔بس چلی تو ساتھ چھاجوں پانی چھت سے ٹپکنے لگا اور کھڑکیوں سے آنے لگا۔۔کیا نظارہ تھا آدھ گھنٹہ بعد بارش رک چکی تھی سوکھنے سکھانے کی تگ و دو اور گھُپ اندھیرے میں اندازہ ہوُا کہ بٹالہ سے گزر آئے ہیں۔میں بیوی بیٹی کو بتانے لگا کہ 1947 میں ہم تو دیر سے پتہ لگنے کی وجہ سے ہانڈی چولہے پہ دھری ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے اور تعلیم الاسلام سکول کی عمارت میں بنے پناہ گزین کیمپ میں دو ہفتے گزارنے کے بعد پاکستان پہنچے تھے۔اب قادیان پہنچنے کے آثار نظر آ گئے اور میں آنکھیں پھاڑ باہر دیکھتے بچپن کی یادیں تازہ کر رہا تھا۔بس نے موڑ کاٹا اور دونوں طرف درختوں کی قطار میں کھمبوں پر لگے بلبوں کی روشنی میں بڑی سی عمارت یادوں کے دریچے کھولتی شناسا لگی اور دو منٹ بعد میں رندھی آواز میں کھڑکیاں دیکھتے تقریباً چیختے بتا رہا تھا"یہ سکول ہے۔اسی سکول میں تو ہم نے آخری دن گزارے تھے"۔۔بس رکی یہ کیا۔یہ کیا تقدیر ہے۔یہ کیا اتفاق ہے۔یہ کیسی مٹی کی خوشبو کا بلاوا ہے!۔ بالکل اسی جگہ جہاں سے سوا چوالیس برس قبل یہ ساڑھے چھ سالہ بچہ بس پہ سوار جنم بھومی چھوڑ نکلا تھا آج پھر آ کے یہیں اتر رہا تھا۔۔۔باقی احباب پہلی بار قادیان دیکھنے کی خوشی لئے تھے میرے دوبارہ اسی جگہ اترنے کی بات حیرانی سے سن رہے تھے۔۔اب یہ

مردانہ قیام گاہ تھی۔ بیٹی نے سامان نکال کھول میرا ضروری سامان حوالے کیا اور خواتین کی قیام گاہ کی طرف بس روانہ ہوگئی۔ڈیوٹی خادم میرا سامان اٹھاجب ضلع فیصل آباد کی قیام گاہ جاتے اس کمرے کے باہر پہنچا تو قدرت کی محبت کا ایک اور نشان میر لئے مقدر تھا کہ یہ وہی کمرہ تھا جس میں میں والدہ بہنوں کے ساتھ ہجرت سے پہلے مقیم رہے تھے۔اس وقت کسی کے پاس بستر تھا،کسی کے پاس نہیں۔بس اب فیصل آباد کے احباب کا ساتھ تھا۔

صبح ناشتہ کے بعد اپنی بچپن کی یادوں کے سہارے چل پڑے۔ حیران تھا چوالیس سال گزر چکے تھے۔۔ایک آدھ جگہ پلاٹوں میں بنیادیں بھری بتارہی تھیں کہ یہ تقسیم سے قبل کی ہیں۔ سرمو فرق نظر نہ پاتے گھومتے پھرتے اندازہ لگا کہ یہ اس ڈھاب کا علاقہ ہے جسے ریتی چھلہ کہتے۔اب اس کے چاروں طرف دکانیں تھیں پہلے کوئی کوئی تھی۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالی کی آمد کا نظارہ اور خطاب اور جوش اور جذبات بتانے کے نہیں دیکھنے کے تھے۔دوپہر کے وقفہ پہ زنانہ قیام گاہ کی طرف نکلا کہ صبح وہاں جابیٹی کو کہہ چکا تھا کہ کھانا میرا بھی ساتھ لے باہر آجانا۔۔چنانچہ بیگم بیٹی کو ساتھ لیتے انہیں اپنی یادداشت کے سہارے ایک سڑک پہ آگے آئے۔جہاں ایک دوبڑی کوٹھیاں تھیں سڑک کنارے درخت کی چھاؤں میں زمین پر بیٹھ کھانا کھول رہے تھے۔کہ سامنے کوٹھی کے کھلے دروازے سے نظر آتے کھڑے سردار صاحب ہمیں دیکھتے اپنائیت سے آئے اور اصرار کے ساتھ ہمیں اندر ڈائیننگ ٹیبل پہ بٹھا پلیٹیں چمچ رکھ کھانا کھانے کا لطف ساتھ پانی اور سویٹ ڈِش اپنی طرف سے اپنی نوازش سے خوشگوار یادوں میں ایک اور اضافہ فرماگئے۔۔دلی ممنونیت اور شکریہ کا اظہار کرتے رخصت لے آگے بڑھے،بائیں مڑتی سڑک پر ایک بہت بڑی کوٹھی دیکھ یاد آتے بتایا کہ یہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی کوٹھی میری یادداشت میں آتی ہے کہ والدہ کے ساتھ یہاں آنا یاد ہے۔اور یہاں سامنے ویسے ہی پڑے کھیتوں میں چھ چھ کنال کے پلاٹ کاٹ کر فروخت کئے گئے تھے۔اور والد صاحب کا خریدا ایک پلاٹ اندازے سے بتایا تھا کہ اس جگہ تھا کہ اکثر دیکھنے آیا کرتے ۔سہ پہر جلسہ کے بعد پھر ہم اکٹھے تھے۔۔ریتی چھلہ کے قریب ایک تانگہ میں بیٹھ،اسے کہا کہ میری یاد کے مطابق یہی سڑک سٹیشن کو جاتی ہے۔اثبات پہ اسی طرف جانے کو کہا۔میرے لئے اپنے جذبات کنٹرول کرنا مشکل تھا کہ میں اس گھر کی طرف لے چلا تھا جسے چوالیس سال قبل مجبوراً خدا حافظ کہنا پڑا تھا۔دُور سے مسجد دارالفضل کے منار نظر آنے شروع ہوگئے۔۔اور میں نے محلہ دارالفضل کا نام لیا تو تانگہ بان بولا جی اب یہ سنت سنگھ والا کہلاتا ہے۔مسجد کے سامنے ہمارے گھر کا پچھواڑہ نظر آیا۔پورے راستہ میں کوئی مکان نیا نہ تھا۔وہی پہلے والے،سوائے سڑک پکی ہونے کے۔۔۔ہمارے میدان کے سڑک والی طرف کے پچھواڑے بڑا میدان خالی ہوُا کرتا تھا جس پر ہجرت سے کچھ ہفتہ قبل قریبی دیہات سے قافلے آٹھہرے تھے اور میں اور میری ہم عمر بھانجی مل کر پانی کی بالٹی اٹھائے دیر تک پانی پلاتے رہے تھے۔۔شائد مسجد کی طرف ایک بیرک سی تھی جو سالانہ جلسہ پر لنگر کا کھانا تقسیم کرنے کے لئے تھی۔ میں بتارہا تھا مگر صرف اشارہ کرسکا وہ ہے وہ ہے۔۔مگر اب میدان کے گرد اونچی دیوار کھڑی تھی اندر باغ بن چکا تھا۔گلی والی جگہ پہ بڑا سا گیٹ اور چاک وچوبند باوردی محافظ کھڑا تھا۔تانگہ بان سے کہا کہ اس مکان میں جانا ہے مگر گلی بند ہے اور متبادل راہ مجھے یاد نہیں۔۔اچانک گیٹ کی کھلی کھڑکی سے دوسری طرف بھی گیٹ بنا نظر آیا تو اتر کر محافظ سے عرض کیا کہ سردار جی مجھے اس مکان پہ جانا ہے متبادل رستہ مجھے یاد نہیں ۔۔اجازت دیں تو میں یہیں سے گزر جاؤں۔وہ انتہائی خوشی سے جی آیانوں کہتے ہمیں ساتھ لے گیا۔دائیں طرف والا بڑا مکان اس نے

بتایا کہ یہ اب پوری سردار سنت سنگھ کی حویلی کا حصہ اور ان ہی کا باغ ہے۔اور میں بتا رہا تھا کہ شاید یہ ملک سیف الرحمان صاحب کا گھر تھا ۔اور یہ ساتھ ہمارے بہت پیارے استاد ماسٹر نذیر احمد رحمانی صاحب کا گھر تھا کہ جس خاندان سے ابھی تک ویسے ہی مراسم ہیں۔محافظ سامنے والا گیٹ کھول ہمیں گزار چکا تھا۔دائیں ہمارے گھر کے سامنے والے مکان کے مکین کے مکان کا نام مجھے اس وقت یاد نہ تھا (عبدالاحد تھا یا شاید عبدالواحد) بائیں طرف پہلا دروازہ ہماری بیٹھک کا تھا۔انتہائی خطرہ کے دنوں کھیلنے نکل گیا تھا واپس آیا تو ہمسائیوں کے دروازے کے باہر ننگی تلوار لئے ایک سکھ ان کے مہمانوں کا گھوڑا کھول رہا تھا اور میں بیٹھک کا دروازہ کھٹکھٹا تا ماں کے دروازہ کھولنے پر ان سے لپٹ بھی گیا تھا اور ڈانٹ بھی کھائی تھی۔۔ہم اپنے گھر کے دروازے پر کھڑے تھے۔میری بولنے کی سکت جواب دے چکی تھی۔دروازہ کھٹکھٹایا۔تو ایک خاتون نے کھولا۔بیٹی نے ابھی ایک دو لفظ ہی کہے تھے کہ وہ خوشی سے بے قابو ہوئی۔میری بیٹی کو لپٹاتے بولی جی آیاں نوں۔یہ اب بھی آپ کا گھر ہے۔آئیں آئیں۔ہم تو مدت سے اس حسرت میں تھے اکثر گھروں کے مکیں کبھی نہ کبھی چکر لگا ئیں گے۔یہاں کوئی نہیں آیا۔۔اندر داخل ہوئے کچھ بھی تو نہ بدلا تھا اس ایک کنال کے گھر میں۔باغ کی طرف بنے وہی کمرے ابھی تک پلستر سے بھی محروم تھے۔سامنے صحن میں سارے درخت تین امرود کے، تین آم کے۔تین میٹھے کے ویسے موجود تھے۔کیلے البتہ نہ تھے۔سردار اندر جیت سنگھ بابا بہت محبت سے گلے ملے۔ان کی والدہ اسی باورچی خانہ کے باہر اسی چولہے پہ ہانڈی چڑھائے بیٹھی تھیں۔جس پر چڑھی ہانڈی چھوڑ ہم بھاگے تھے۔میری بیوی بیٹی ان سے تعارف کر کرا رہیں تھیں اور میں سر گھماتے دیکھ رہا تھا کچھ بھی تو نہیں بدلا یہاں۔بس جب میں اس دروازہ سے نکلا تھا،ساڑھے چھ سال کا تھا اب پھر داخل ہوُا تو ساڑھے پچاس سے کچھ اوپر ہوں۔میں سردار جی کو بتا رہا تھا بس لیٹرین سامنے تھی جو اب "اسی طرح کی" داخلی دروازے کے پاس آگئی ہے۔اس کے ساتھ بھینس کے چارہ کے لئے کھرلی تھی۔جس کے قریب صبح سب سے پہلے دھوپ آنے کی وجہ سے سردیوں میں والدہ ساتھ بٹھائے قرآن مجید پڑھایا کرتیں۔ہاں یہ شمالی جانب دیوار دوبارہ بنی لگتی ہے (جواب ملا چند سال قبل سیلاب سے گر گئی تھی) بیوی بچوں اور ان کو بتا رہا تھا کہ آخری کمرہ لکڑی کی کڑیوں شہتیروں اور دوسرے تعمیراتی سامان سے بھرا تھا۔کہ کمروں کے سامنے برآمدہ بنانے لکڑی کا باقی ماندہ کام کرانے اور اندر باہر سے پلستر کرانے کی تیاری تھی۔۔اور یہ دوسرا کمرہ۔۔میرے ہونٹوں پہ مسکراہٹ آگئی۔اس میں رضائی والی پیٹیاں تھیں ان کے اوپر صندوق تھے اور پیچھے بغیر پٹ کی الماری کے نچلے خانے گلقند کا مرتبان ہوتا تھا۔ہم نظر بچا چارپائی سے چڑھ صندوق پر لیٹ ہاتھ لمبا کر یہ گلقند نکال کر چٹ کیا کرتے۔

اندر جیت سنگھ بابا کی بوڑھی والدہ چولہے کے پاس بیٹھی چائے بنا رہی تھیں اور ہم ان کے گرد اسی طرح پیڑھیوں پر بیٹھے تھے جیسے چوالیس سال قبل بیٹھا کرتے تھے۔۔وہ بتا رہی تھیں۔

"ہم بھی جٹ ساہی ہیں اور میرے بزرگوں کی چوہدری سر ظفر اللہ خاں کے خاندان سے قریبی رشتہ داری ہے ۔۔سانگلہ کے قریب ساہیانوالا گاؤں میرے نانا کا بسایا ہوُا ہے"

میں نے بتایا کہ چودہ پندرہ سال قبل ایک بارات کے ساتھ شدید بارش ہونے کے سبب کار سٹیشن پر کھڑی کر گارے میں لت پت پیدل وہاں پہ جا چکا ہوں۔۔وہ اداس ہو چلی تھیں۔۔چائے کے بعد۔وہاں سے میں نکل کر سامنے والی گلی سے (شمالی جانب) دوسری گلی میں چلا

گیا۔۔میری یادداشت کے مطابق اللہ بخش سٹیم پریس والا مکان یہیں کہیں تھا جو والدہ نے تقسیم سے کچھ عرصہ قبل خریدا تھا اور خالی پڑا تھا کہ اس مکان کی تزئین نو کے دوران وہاں مقیم رہیں۔ مگر میں اس کی نشاندہی نہ کر پایا۔ دیکھا ہمارے گھر کی شمالی سڑک اور گلی کی۔ نکڑ پر ہمیں بہت خوبصورت نظر آنے والا پیلے رنگ کا مکاں جس کا سڑک کی طرف پورا برآمدہ ہؤا کرتا تھا۔ ابھی تک اسی چوالیس پہلے والے رنگ میں موجود تھا اور برآمدہ کے در گارہ سے چنائی شدہ اینٹوں سے بند بغیر پلستر شاید کمروں میں تبدیل ہو چکے تھے میرے ذہن میں یہ "فاطمہ کا یا برآمدہ والا گھر" کی پہچان رکھتا تھا

سورج غروب ہونے کو تھا تانگہ ہمارا انتظار کر رہا تھا۔ گھر والوں سے اجازت لی۔ ان کا اصرار تھا کہ سامان لا باقی دن "اپنے مکان" میں گزاریں۔ دلی ممنونیت اور محبت کے ساتھ کی گئی اس پیشکش کا شکریہ ادا کرتے امرود کے درخت پر لگے چند کچے امرود بطور نشانی اتار لے جانے کی اجازت لی اور تانگہ والے کو سکول کی طرف سے چکر لگاتے واپس جانے کو کہا۔ سکول سے پہلے کھیتوں پہ تانگہ رکوایا۔ ایک اور نظارہ تصور میں گھوم رہا تھا سکول کے پچھواڑے کی طرف ایک اور پلاٹ چار کنال کا ہم نے ایک معروف شخصیت سے خریدا تھا جو ابھی کھیت ہی تھے رجسٹری کے باوجود قبضہ نہ دیا گیا تھا اور چارہ بیج دیا گیا تھا کہ نہ ابھی گلیوں سڑکوں کے نشان لگے ہیں نہ آپ نے ابھی تعمیر کرنا ہے۔ والدہ پنڈی بھٹیاں کی۔ انہوں نے مجاز جگہ شکایت کی اور حکم ہؤا کہ نہ صرف فوری قبضہ دے نشاندہی کی جائے بلکہ جو فصل بوئی گئی ہے وہ بھی خریدار کی ملکیت شمار ہوئی۔ بھینس ہمارے گھر میں تھی۔ سکول سے واپسی کے بعد والدہ تینوں بھائیوں کو ساتھ لیتیں۔ اپنے شٹل کاک برقعہ میں ملبوس درانتی ہاتھ میں لئے خود چارہ کاٹتیں اور چھوٹے چھوٹے گٹھے بنا بھائی اٹھا گھر لے آتے۔ درختوں کی شاخیں کھڑی کر اوپر چارہ سے چھت بنا ایک بالکل چھوٹا جھونپڑا میرے لئے دھوپ سے بچ بیٹھنے لیٹنے کے لئے تھا۔ ایک روز وہ چارہ کاٹ رہی تھیں کہ ایک شخص دور سے دوڑتا آیا اور بتایا شہر میں ایک ہلکایا (پاگل) کتا گھس آیا ہے اور کاٹنے کے کچھ واقعات ہو چکے ہیں۔ اب والدہ برقعہ میں لپٹی ایک ہاتھ میں درخت کی مضبوط شاخ پکڑے مجھے اپنے برقعہ میں چھپائے بھائیوں کو ساتھ لئے شیرنی کی طرح چاروں طرف دیکھتیں ہماری حفاظت کرتیں فوراً گھر لے آئیں۔۔ اور اسی وجہ سے یہ سب میرے ذہن میں محفوظ تھا اور میری بیوی بیٹے کے علاوہ تانگہ بان بھی غور سے سن رہا تھا۔

یہاں بتاتا چلوں کہ میرے والد شیخ دوست محمد شمس چنیوٹ برادری سے تعلق رکھتے کلکتہ میں "مینار لیدر مرچنٹس" کے نام سے کاروبار کرتے تھے اور والدہ محض قادیان کے ماحول سے متاثر بچوں کی بہتر تعلیم اور تربیت کی خاطر انیس سو سینتیس میں یہاں منتقل ہوئیں تھیں ۔اور جس دن بغیر کسی پیشگی اطلاع فوراً پناہ گزین کیمپ پہنچنے کا حکم نامہ ملا صرف زیور نقدی اور پراپرٹی کے تمام کاغذات ایک پوتھی میں گلے میں لٹکائے نکلی تھیں۔ یہ خالی پوتھی اب بھی فیصل آباد میں میرے کاغذات میں موجود ہے اور چونکہ سب کاغذات میری ہی نگرانی میں رہے اس لئے کبھی کبھار نظر پھیرتے مجھے یاد رہے۔

ڈھلتی شام میں سکول اور نواح دکھاتا بائیں طرف ایک گلی کی نشانیاں ڈھونڈتا واپس تانگہ ریتی چھلہ سٹاپ پہنچا۔ تانگہ والے سے کرایہ پوچھا تو بولا جی دس روپے دے دیں۔۔ تقریباً تین گھنٹہ ہمارے ساتھ اور گھماتے پھراتے اور صرف دس روپیہ۔۔ اتنی رقم میں فیصل آباد میں کوئی ایک کلومیٹر نہ لے جائے۔۔ اور پاکستانی سو کے ملے بھی ایک سو اکتیس انڈین تھے۔ (آجکل 2021 میں شاید سو کے پچاس ہی

ملیں) بیس دیئے تو اس کی خوشی قابل دید تھی ۔ خواتین کو ان کی رہائش گاہ چھوڑ مسجد اقصی میں نمازوں کے بعد آہستہ چلتے تھکاوٹ سے چور مگر خوشی سے معمور واپس پہنچ سوچکا تھا۔۔

دوسرے روز دوپہر وقفہ میں بہشتی مقبرہ کی زیارت

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور تمام بزرگان کے مزارات پر دعا کی توفیق ملنے کی سعادت کے ساتھ بیوی اور بیٹی اپنی معلومات کی حد تک ان ہستیوں کا تعارف کراتے حضرت قاری غلام یاسین صاحب صحابی کا مزار بھی ڈھونڈ نکالا کہ میری دو بڑی بہنوں کے خسر تھے ۔۔شام کے اجلاس جلسہ کے بعد نکلے اور خواتین کو شاپنگ علاقہ دکھایا جہاں ریتی چھلہ کی ڈھاب کے گرد دکانیں بن چکی تھیں اور یہی واضح تبدیلی دیکھی تھی ۔انہیں رہائش گاہ چھوڑ اپنی واپسی دو روز قبل کروائی کہ بیٹی کے دو جنوری سے ایم ایس سی فائنل کے امتحانات قائد اعظم یونیورسٹی میں شروع تھے اور فیصل آباد پہنچ اس نے اسلام آباد بھی پہنچنا اور تیاری بھی کرنا تھی۔ تیسرے روز کی شام شاپنگ کے لئے رکھی۔ واپس رہائش گاہ چھوڑ بعد از نماز جماعت فیصل آباد کی ملاقات حضور پر نور سے مقرر تھی۔ ہر بندہ باری باری کھڑا ہوتا ۔اپنانام بتاتا پرانے عہدیداروں کو جنہوں نے ان کے ساتھ کام کیا ہوا تھا حضور ویسے پہچان لیتے۔۔ اپنی باری پہ میں کھڑا ہوا ہی تھا تو بہت پیار سے مسکراتی ہوئی آواز میں یہ فقرہ ادا ہوا:

۔شیخ صاحب آپ تو بیٹھ جائیں ابھی پچھلے سال مجھ سے مل کے آئے ہیں۔۔ واہ کیا اعزاز تھا۔

جلسہ سے اگلے روز کہ ہمارا آخری دن قادیان میں تھا نماز فجر مسجد اقصی میں ادا کرنے کے بعد مسجد مبارک کے باہر بیت الدعا میں نوافل و دعا کی غرض سے قطار میں لگتے باری آنے پر اندر داخل ہوا وہ چند منٹ تھے چند لمحے تھے یا چند سال تھے اور کیا تھے کس طرح کے تھے ۔۔پتہ نہیں۔ بس کچھ نہیں کہوں گا۔۔ وہاں سے نکل کر بیوی اور بیٹی کو ساتھ لیا اور جلسہ سے پہلے جماعت کے نئے تعمیر کردہ علاقے دفاتر مہمان خانے وغیرہ دیکھنے نکل گئے۔ چوالیس سال میں یہی کچھ نمایاں اضافہ تھا۔ بنگلہ دیش جماعت کی قیام گاہ پہ برہمن بڑیہ کے کسی دوست سے اپنے بچپن کے عزیز دوست اصغر علی خان کا پوچھا کہ چنیوٹ ربوہ میں کلاس فیلو سے زیادہ ہمارے گھر کے ممبر رہے اور ساٹھ کی دہائی واپس منتقل ہوگئے اور کئی سال سے خط کتابت منقطع تھی ان کے داماد سے ملاقات ہوگئی جو نہ اردو سمجھتے نہ انگریزی۔ ترجمان کے ذریعہ حال احوال اور تحریری پیغام دیتے۔ کلکتہ کی جماعت ڈھونڈتے کھلے دروازے سے اندر شناسا چہرے نظر آئے۔ وہ ہمارے والد کے بچپن کے دوست سیٹھ محمد یوسف بانی مرحوم کا خاندان تھا تعارف کرانے پر گھنٹہ بھر اس پیارے گھرانے کے ساتھ گزارا۔ واپسی کے کاغذات اور سب پروگرام طے کرنے کے بعد تھک کر کہ بیماریٔ دل تیز یا زیادہ چلنے کی اجازت نہ دیتی قیام گاہ واپس لوٹ آئے۔

آخری روز اٹھتے ہی سامان باندھ خواتین کا سامان تانگے پہ اپنی قیام لارکھتے اچانک خیال آیا کہ دو گھنٹے باقی ہیں۔ مقامی دوست سے نور ہسپتال کا پوچھا اور بڑی آپا کی بتائی نشانیوں کی پیروی کرتے کہ ہر چیز ویسی تھی نور ہسپتال کے پیچھے والی گلی کے آخری کے قریب مکان پہ جا پہنچے کہ ہر نشانی صحیح پہنچنے کا پتہ دے رہی تھی۔ دروازہ کھلنے پر پوچھا کہ اس مکان میں دروازے کے بائیں طرف کنواں بھی تھا اب بھی ہے اور ساتھ ہی کنویں پر نظر پڑ چکی تھی۔ میری بیٹی نے بتایا کہ اس گھر میں پچاس سال قبل ابو کی پیدائش ہوئی تھی۔ کیا ایک دو منٹ کے لئے اندر آنے کی اجازت مل سکتی ہے۔ کھلے دل سے اس ناشتہ کرتے انتہائی صاف ستھرے گھر میں خوش آمدید کہا گیا اور بڑی آپا کی بتائی

تفصیلات بتائیں اس گھر میں بھی ہر چیز وہی تھی جو پچاس برس قبل کی میری آپا نے بتائی تھی۔ اہل خانہ کے بہت محبت بھرے اصرار کے باوجود رک نہ سکے اور واپس آ گئے۔ سامان کے پاس بیگم کھڑی تھیں ساتھ ایک لڑکا ایک گھنٹہ سے انتظار کرتا کھڑا تھا کہ سامان تانگہ پہ رکھوا یئے اور ایک روپیہ دے دیجئے گا۔

دن کے وقت بٹالہ کے اندر اور امرتسر کے بائی پاس سے گزرتے قافلہ اٹاری سٹیشن پہنچ چکا تھا امیگریشن کروا کر ٹرین میں سامان رکھوا بیوی کو بیٹی پاس چھوڑ نکلا کہ کچھ کھانے کو ملے تو لے آؤں۔ ایک سٹال پہ دال کچوری بنتی نظر آئی تو ایک اور خوشی ملی کہ کلکتہ میں بچپن میں کھانے کے بعد ایک مرتبہ کراچی سندھ ہائی کورٹ کے پیچھے ریڑھی پہ کھائی تھی۔ ایک بھوک پھر بہت لذیذ ذائقہ دار۔ خوب جی بھر کھائی۔ پہلے بیٹی اور بیوی کو ساتھ لا کر اصرار سے کھلائی۔ حالانکہ اس دوران گرودوارہ والے کمال شفقت سے لنگر مہیا کر چکے تھے۔ لاہور سٹیشن سے باہر نکلتے بڑے بھائی رفیق احمد کو گھر فون کیا کہ ڈیڑھ دو گھنٹہ میں نکل جائیں گے۔ وہ گرم کھانا لے کر آ پہنچے۔ اور ان کے لئے لائے تحفے اور انناس اور ناریل کے باوجود جس تحفے نے ان کی خوشی کو آنسوؤں میں بدلا وہ ان کے اپنے گھر سے امرود کے اس درخت سے جوان کے نام کا تھا توڑے ہوئے کچے ہرے امرود تھے۔۔۔۔۔

نصف شب کے کچھ بعد اپنے گھر 120 سی پیپلز کالونی فیصل آباد کی گھنٹی بجاتے مجھے الطاف فاطمہ کے اسی نام کے ناول میں لکھے چینی محاورہ "دستک نہ دو"۔۔۔ باریابی ہو گی۔۔ اور بائیبل کا۔۔ کھٹکھٹاؤ۔۔ کھولا جائے گا۔ یاد آئے اور دل باری تعالیٰ کی حمد سے لبریز جھکا ہوا تھا۔ کہ یہ باریابی بھی تھی۔ اور کھولا بھی گیا تھا۔۔۔ کہ قادیان کی مٹی کی بے چین خوشبو کا بلاوا تھا

میرا بچپن جہاں گزرا وہ بستی چھن گئی کیونکر
میری بستی میرے خوابوں کی بستی بن گئی کیونکر

وہ بستی جس کے ذروں نے مسیحا کے قدم چومے
اور اس بستی کے کوچوں نے وہ پاؤں دم بدم چومے

زمین قادیان کے واسطے آنکھیں ترستی ہیں
اُمیدیں تلملاتی ہیں تمنائیں تڑپتی ہیں

یہ سچ ہے میں نے چھوڑا تھا تجھے تو نے نہیں چھوڑا
مگر پھر لوٹ کر آنے کا وعدہ بھی نہیں توڑا

زمین قادیاں تو ہم سے چھوڑی جا نہیں سکتی
قسم ایک بار کھائی ہے جو توڑی جا نہیں سکتی

تیری تاریخ کو قومیں ہمیشہ یاد رکھیں گی
تجھے شاداب رکھیں گی تجھے آباد رکھیں گی

"لہجہ گلاب رکھتا ہے"

کینہ سینے میں جو جناب رکھتا ہے
زیست میں وہ ہمیشہ عذاب رکھتا ہے
دیں مکمل وہی ہے جگ میں آج
شریعت کی جو کامل کتاب رکھتا ہے
انساں بھی ہے وہ قدر کے لائق
جو اپنا لہجہ گلاب رکھتا ہے
اہلِ دل اسکو ہی دل بھی کہتے ہیں
سب سے محبت جو بے حساب رکھتا ہے
کھوج کر دیکھ لو کسی کو بھی
عشق کا ہر کوئی نصاب رکھتا ہے
راز کُھل کر رُسوا نہ کر ڈالے
راز ہر شخص زیرِ حجاب رکھتا ہے
کتنا مسرور ہے وہ جگ میں منیرؔ
عزیز جس کو وہاب رکھتا ہے

(منیر احمد باجوہ۔ مہدی آباد)

کاش پورا یہ خواب ہو جائے
زندگی لاجواب ہو جائے
امتحاں زندگی کا ہو اور تُو
امتحاں کا نصاب ہو جائے
تُجھ پہ ہر روز شعر لکھتا ہوں
تُو غزل کی کتاب ہو جائے
کامیابی کو فخر ہو تُجھ پر
جب تِرا انتخاب ہو جائے
تشنگی کب رہے مرے دل کو
آنکھ جب پُر زِ آب ہو جائے
وصل کی بھی سبیل نکلے گی
گر نہ حائل حجاب ہو جائے
بخشے جائیں سبھی ہمارے گناہ
رحم جو بے حساب ہو جائے
طارقؔ اُس راہ پر مسلسل چل
جس پہ تُو کامیاب ہو جائے

(ڈاکٹر طارق انور باجوہ۔ لندن)

اپنے بچوں کو بُری صحبت سے بچائیں

(محترمہ نوشابہ ودود صاحبہ کلینیکل سائیکالوجسٹ۔بشکریہ ہفت روزہ "لاہور" 3 اگست 2002)

عموماً بچوں کے اچھے اور بُرے ہر قسم کے دوست ہوتے ہیں۔ لیکن عام طور پر بچوں کی دیر پا دوستی ان ہی دوستوں سے ہوتی ہے جن کی طرف ان کا قدرتی رجحان ہو۔ یا جو ان کے ماں باپ کے اقدار اور معیار پر پورا اترتے ہوں۔ اس لئے ماں باپ کا خوف کہ ان کا بچہ ان کی اقدار اور معیار کے خلاف لوگوں سے مضبوط تعلقات قائم کرلے گا کسی حد تک غیر ضروری ہے۔

عام طور پر بچوں کا اخلاقی کردار بارہ سال کی عمر تک بن جاتا ہے۔ اس عمر تک بچے کا جو کردار گھر میں تشکیل پاتا ہے۔ بُری سوسائٹی کا اثر اس کردار کو عموماً تبدیل نہیں کر سکتا۔ یہ تو ممکن ہے کہ بچہ تجربے کے طور پر مختلف طریقوں کو وقتی طور پر آزمائے۔ لیکن یہ بہت کم ہوا ہے کہ بچہ سرے سے اپنا اخلاقی کردار ہی تبدیل کر لے۔ ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ بچے صرف بُری سوسائٹی کی وجہ سے ہی بُرے ہوں۔ لیکن یہ ہوتا ہے کی ان کا اپنا رجحان ہی اس قسم کا ہو جسے بُری سوسائٹی نے جلا بخشی ہو۔ اکثر بچوں کو اس بات کا احساس تو ہوتا ہے کہ بُری دوستی کا اثر ان پر بُرا ہوا ہے۔ لیکن وہ دوسری بہت سی وجوہات کی بناء پر ایسے لوگوں سے اپنی دوستی برقرار رکھتے۔ مثلاً گھر میں توجہ اور محبت کی کمی۔ ہلہ گُلہ اور شغل کے لئے وقتی طور پر والدین سے باغی ہونا۔ شان و شوکت میں اضافہ چاہنا یا خود اعتمادی کی کمی ۔ جس کی وجہ سے بچے ان سے دوستی رکھیں جو ان سے چھوٹے ہوں۔ کم ذہین ہوں یا بُرے ہوں۔ دوسرے لفظوں میں بُری صحبت نتیجہ ہے نہ کہ وجہ۔

یہ ہو سکتا ہے کہ آپ کے علم میں ہی نہ ہو اور آپ کا بچہ بُری سوسائٹی میں جا چکا ہو۔ یاد رکھیں جب آپ یہ محسوس کریں کہ بچے کے آنے جانے میں کچھ گڑ بڑ ہے۔ اس کے کردار۔ دوستوں اور سکول کے کام میں ڈرامائی تبدیلی ہو۔ ہر کام میں رازداری کا انداز برتا جائے۔ اپنی ذات میں کھویا رہے یا گم سم رہنے لگے۔ کافی دیر تک اکیلے بیٹھا رہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ تو سمجھ لیں کہ بچے کے مسائل کو سنجیدگی سے حل کرنے کا وقت آگیا ہے۔

اس معاشرے میں رہتے ہوئے جہاں بچے کو چھوٹی عمر میں ہی ضرورت سے زیادہ خود مختاری دی جاتی ہے والدین کیا کچھ کر سکتے ہیں؟۔ سب سے پہلے تو والدین یہ کریں کہ بچے کے سامنے بہت چھوٹی عمر میں ہی ایسا کردار اور ایسی اخلاقی اقدار پیش کریں جو شروع سے ہی اس کی شخصیت میں رچ بس جائیں۔ اور وہ کردار ذرا بڑا ہونے پر بھی اسے صراط مستقیم سے بھٹکنے سے بچا سکے۔

اگر دس بارہ سال کی عمر تک بچے کا کردار اچھی بنیادوں پہ استوار ہو گیا ہے تو اس پر اعتماد کریں کہ وہ حالات سے کسی حد تک بنرد آزما ہو سکتا ہے۔ بچپن کی دوستیاں وقتی ہوتی ہیں اور بچے اس مختصر عرصے کی "برائیوں" سے نکل آتے ہیں۔ اور بُرے دوستوں کے اثر کو کم کرنے کے لئے بچے کے ساتھ اپنے ذاتی تعلقات استوار کریں۔ اس کے ساتھ زیادہ وقت گزاریں۔ مشترکہ دلچسپی کے کام کریں۔ آپ بچے کے جتنا قریب ہونگے وہ اتنا ہی آپ کو خوش کرنے کی کوشش کرے گا۔ ماں باپ بچے کی ضرورت کو پہچانیں کہ وہ بُرے دوستوں کی صحبت سے کیا حاصل کرنا چاہتاہے اور پھر اس ضرورت کی تکمیل کے لئے اس کا کوئی متبادل مہیّا کریں مثلاً کسی جنگل میں کیمپ کے لئے بھیج دیں یا جوڈو کرائے۔ ریسلنگ اور سکینگ skiing کے لئے بھیج دیں۔ کسی اچھی تنظیم کا رکن بنا دیں یا دوسری ایسی جگھوں پر

بھیجیں جہاں اسے اچھے دوستوں کی صحبت مل سکے۔

اگر بچہ اپنے دوستوں کو گھر لانا چاہتا ہے تو اسے اس بات کا احساس دلائیں کہ اس کے دوستوں کو گھر میں خوش آمدید کہا جاتا ہے۔ ان کی خاطر مدارات کی جاتی ہے۔ بچوں اور ان کے دوستوں کو گھر میں جتنا خوشگوار ماحول ملے گا اتنا ہی وہ باہر خوشی کی تلاش کم کریں گے۔ اس طرح آپ اس کے دوستوں کی اقدار اور ماحول کو بھی پہچان سکیں گے۔ بچوں کے لئے ہمیشہ سوالات۔ باہمی گفتگو اور تبادلہ خیال کا دروازہ کھلا رکھیں تا کہ وہ اپنے ہر قسم کے تجسس اور مسائل کے لئے آپ سے ہی رجوع کریں۔ والدین اپنے بچپن کو فراموش نہ کریں بلکہ اپنے بچپن کے زمانے کو ذہن میں لا کر اپنے بچوں کے بارے میں محسوس کریں کہ آپ اپنے بچپن کے زمانہ میں کس قسم کے دوست پسند کرتے تھے اور کیوں کرتے تھے اور آپ کے والدین کا ردِ عمل کس قسم کا ہوتا تھا اور اس کا آپ کی ذات پر کیسا اثر پڑتا تھا۔

گھر کے ماحول میں روزمرہ کے معمولات اور اصول و ضوابط ہونے چاہئیں۔ مثلاً شام کا کھانا گھر کے تمام افراد مل کر ضرور کھائیں۔ ہفتے میں شام یا چھٹی والے دن فیملی کے ساتھ گھومنے پھرنے کا پروگرام بنائیں۔ بچے کے لئے جز وقتی یا رضاکارانہ کام کا بندوبست کریں۔ اور اس کے فارغ اوقات کو مختلف ذریعوں سے مصروف کرنے کی کوشش کریں تا کہ اسے بُرے اور بے کار دوستوں میں بیٹھنے کا کم موقع ملے۔

اس سے پہلے کہ آپ کا بچہ ہائی سکول کو پہنچے آپ اس سے براہِ راست بھی بات کر سکتے ہیں کہ وہ بُرے دوستوں سے بچے۔ مگر جب بچہ عنفوان شباب (Teen Age) میں داخل ہو جاتا ہے تو اس قسم کی براہِ راست تنقید اس کے لئے چیلنج بن جاتی ہے کہ وہ اپنے دوستوں کے انتخاب پر دفاعی رویّہ اختیار کرے۔ اس عمر کے لئے بالواسطہ تنقید بہتر ہوتی ہے۔ اس پر حالات و واقعات سے ثابت کریں کہ فلاں دوست آپ کے لئے کیوں موزوں نہیں ہے۔ مثلاً آپ کا فلاں دوست بہت مطلب پرست ہے وہ تو آپ کے بارہ میں کبھی نہیں سوچتا یا جب بھی آپ اپنے فلاں دوست کے ساتھ ہوتے ہیں کسی نہ کسی مصیبت میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔ آپ بچوں سے یہ بھی پوچھ سکتے ہیں کی آپ کے خیال میں اس مسئلے کو ہم کیسے حل کر سکتے ہیں۔ اکثر بچے والدین کی رہنمائی میں کسی نہ کسی اچھے نتیجے پر پہنچ جاتے ہیں۔

بعض دفعہ کچھ سیکھنے کے لئے اپنی کی گئی غلطیوں کو بھگتنا ضروری ہوتا ہے۔ بلکہ عین فائدہ مند ثابت ہوتا ہے۔ اس کے لئے آپ خواہش کریں کہ ایسے دوستوں کے ساتھ رہنے سے اسے کوئی چھوٹا موٹا مسئلہ در پیش ہو تا کہ آئندہ دوستوں کے انتخاب میں وہ احتیاط سے کام لے۔

اگر بچہ غیر قانونی کام کرتا ہے تو والدین ذمہ دار ہیں کہ وہ معاملہ کو پوری طرح اپنی گرفت میں لیں اور جرم پر اس کی ہرگز پردہ پوشی نہ کریں۔ تحقیقات سے بھی ثابت ہوا ہے کہ اگر والدین بچوں کی غیر قانونی سرگرمیوں پر نرم رویّہ اختیار کرتے ہیں تو اس طرح ان کے بچوں کے مجرم بننے کا امکانات بڑھ جاتے ہیں۔

آخر میں دوبارہ اس بات پر زور دینا بے حد ضروری ہے کہ والدین اصلاح کو بیڑہ بہت بچپن سے ہی اٹھائیں اپنے مذہب اپنی روایات اپنے اقدار اور اپنے اخلاق و کردار کو نہ صرف اپنی زندگیوں میں شامل کریں بلکہ اس پر فخر کریں اور اپنے بچوں کو بھی ان پر کاربند رکھنے کی کوشش کریں۔ اس غرض کے لئے اگر تھوڑی بہت سختی بھی کرنا پڑے تو کوئی حرج نہیں۔

دعا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں بچوں کی صحیح رنگ میں تربیّت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

BIKE TOUR TICOSA

mta

MTM
MTM

www.mtmhamburg.de
aat Kd
Kontakt: bur.hamburg@gm
Ahmadi
Deutschla
Jama
Kontakt:

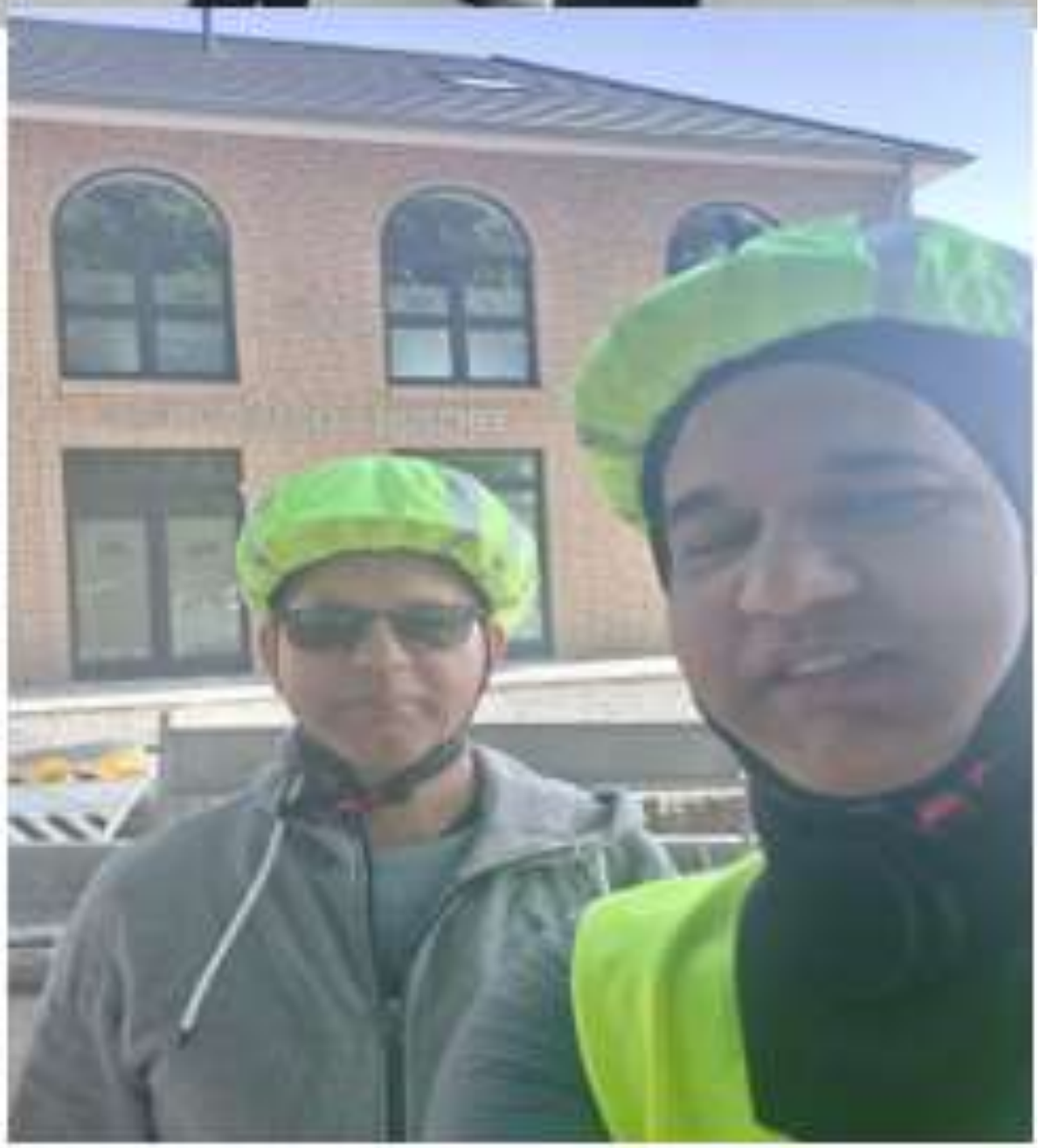

مکرم رضاء الدین احمد صاحب ٹکوسا کے معاون خصوصی ہیں اور فرینکفرٹ میں ہونے والے پروگرامز میں مہدی آباد سے شامل ہو جاتے ہیں

جب بھی وہ عہد کا حسیں بولے
عرش بولے، کبھی زمیں بولے
جب وہ بولے تو ساتھ ساتھ اس کے
ذرّہ ذرّہ بصَد یقیں بولے
چاند سورج گواہی دیں اس کی
اُس کا منکر نہیں نہیں بولے
شور برپا ہے صحنِ مقتل میں
بر سرِ دار اک حسیں بولے
اشک ہی تھے جو چپ رہے، یعنی
اشک ہی تھے جو بہتریں بولے
کب کرے اپنے جرم کو تسلیم
کس لئے مارِ آستیں بولے
یہ ہمارا ہی حوصلہ ہے میاں
قتل ہو کر بھی ہم نہیں بولے
قتلِ ناحق پہ کس لئے مضطرؔ
چپ رہے آپ، کیوں نہیں بولے

(چوہدری محمد علی مضطرؔ عارفی)

فتح بھی اس کے پیچھے ہی کھڑی ہے

جو ہم پہ آزمائش کی گھڑی ہے
فتح بھی اس کے پیچھے ہی کھڑی ہے
اٹھا کر دیکھ لو تاریخ عالم ستم سہنے میں سب سے بڑھ گئے ہم
پڑھیں کلمہ تو لگتی ہتھکڑی ہے
فتح بھی اس کے پیچھے ہی کھڑی ہے
دعا سے لگ گئے دشمن ٹھکانے خطا جاتے نہیں اس کے نشانے
دعا ہی ایک جادو کی چھڑی ہے
فتح بھی اس کے پیچھے ہی کھڑی ہے
بڑے فرعون اور ہامان دیکھے پھر ان کی موت کے سامان دیکھے
چِتا جلتی ہے اور سُولی گڑی ہے
فتح بھی اس کے پیچھے ہی کھڑی ہے
خدا ساتھی ازل سے صابروں کا نشاں مٹتا رہا ہے جابروں کا
ہمارے صبر میں طاقت بڑی ہے
فتح بھی اس کے پیچھے ہی کھڑی ہے
چلا چل جب تلک کہ دم میں دم ہے سفر اب ابنِ آدم دو قدم ہے
وہ منزل ہاتھ پھیلائے کھڑی ہے
فتح بھی اس کے پیچھے ہی کھڑی ہے
امام وقت آیا فاتحانہ مسیحا تیری ٹھوکر میں زمانہ
یہ دنیا تیرے قدموں میں پڑی ہے
فتح بھی اس کے پیچھے ہی کھڑی ہے
(کلام جناب اِبنِ آدم صاحب)

سر ظفر اللہ کی مسئلہِ فلسطین پر جنرل اسمبلی میں تقریر اور وزیرِ خارجہ شاہ محمود قریشی کا چیلنج

ثقلین امام بی بی سی اردو سروس

فروری 1948 میں یروشلم میں ایک بم دھماکے کے بعد کا منظر۔

فلسطین کی تقسیم اور اسرائیلی ریاست کے قیام سے قبل، اُس وقت کے پاکستانی وفد کے سربراہ، سر محمد ظفر اللہ خان نے اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی کی ایک پلینیری کمیٹی میں خطے کی تقسیم کی تجویز کو ناقابلِ عمل قرار دیتے ہوئے یہودیوں اور فلسطینیوں کی ایک وفاقی ریاست بنانے کی تجویز دی تھی۔

مسئلہِ فلسطین کے بارے میں 28 نومبر، سنہ 1947 کو سر ظفر اللہ خان کا جنرل اسمبلی سے خطاب اس موضوع پر تاریخ کی بہترین تقاریر میں سے ایک قرار دیا جاتا ہے۔ اس موقع پر انھوں نے سوا گھنٹے تقریر کی تھی جسے ایک عرب نمائندے نے عالمِ عرب کے مقدمے کی بہترین ترجمانی کہا تھا۔

سر ظفر اللہ نے اپنے خطاب میں کہا تھا کہ "اقوام متحدہ خطہِ فلسطین اور فلسطینی عوام کے ساتھ وہ کام کرنے جا رہا ہے جس کا اُسے اختیار ہی نہیں ہے۔ یہ انھیں اک ایسی سمت کی جانب دھکیل رہا ہے' جس کے بعد دشمنیوں ایک لامتناہی سلسلہ ہر حل کا راستہ روکے گا۔

ہمیں بتایا جائے کہ اقوام متحدہ فلسطینیوں کی زمین پر ان کا اپنا ملک قائم کیے بغیر یہودیوں کا ملک کیسے قائم کرے گا؟ اقوام متحدہ کے پاس ایسا کرنے کا کیا اختیار ہے؟ آزاد ریاست کو ہمیشہ کے لیے اقوام متحدہ کی انتظامیہ کے تابع بنانے کے لیے قانونی اتھارٹی کیا ہے، کونسا قانونی اختیار ہے؟'

ہم پہلے فلسطین کی لاش کو یہودی ریاست کے تین حصوں اور ایک عرب ریاست کے تین حصوں میں کاٹ دیں گے۔ اس کے بعد ہمارے پاس جافا انکلیو ہو گا۔ اور فلسطین کا دل، یروشلم، ہمیشہ کے لئے ایک بین الاقوامی شہر رہے گا۔ یہ مسئلہِ فلسطین کی ابتدائی شکل ہے۔

اس کے بعد انھوں نے کہا کہ 'اس طرح فلسطین کو کاٹ ڈالنے کے بعد ہم اس کے جسم کو بہتے ہوئے خون کے ساتھ ہمیشہ کے لیے ایک صلیب پر لٹکا دیں گے۔ یہ عارضی کام نہیں ہو گا۔ یہ مستقلاً ہو گا۔ فلسطین کبھی بھی اپنے عوام کا نہیں ہو سکے گا۔ اسے ہمیشہ صلیب پر کھینچا جائے گا"۔

تونس اور مراکش کی آزادی کے لئے پاکستان کی خدمات

جب فرانسیسی وفد نے یہ دیکھا کہ پاکستان تونس اور مراکش کی حمایت میں پیش پیش ہے تو تونس کے مسئلہ پر بحث کے دوران ان کے وفد کی طرف سے ایک بہت دیدہ زیب پمفلٹ اراکین اسمبلی میں تقسیم کیا گیا جس میں اعداد و شمار سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی تھی کہ تونس رفاہ عام کے ہر شعبہ میں پاکستان سے کہیں آگے ہے۔ ایک صبح یہ پمفلٹ اجلاس شروع ہونے کے وقت ہر ملک کے نمائندے کی میز پر پایا گیا۔ میں نے جلد جلد اس کی ورق گردانی کی اور اسے ایک طرف رکھ دیا۔ اس پمفلٹ میں چونکہ تونس کی مقابلہ صرف پاکستان سے کیا گیا تھا اس لئے اس سے یہ ظاہر کرنا مقصود تھا کہ آزادی کے باوجود پاکستان میں رفاہ عام کے شعبوں میں ترقی کی رفتار تونس سے بہت سست ہے اور تونس کی ترقی کی رفتار فرانس کے زیر اقتدار ہونے کی وجہ سے ہے۔ جب میں یہ پمفلٹ دیکھ چکا تو آغا شاہی صاحب جو میرے ساتھ کمیٹی میں معاون تھے اسے اٹھا لیا اور اس کے مطالعہ میں مصروف ہو گئے۔ تھوڑی دیر بعد گھبراہٹ میں مجھ سے فرمایا کہ پاکستان کے یہ اعداد و شمار جو اس پمفلٹ میں دیئے گئے ہیں آزادی سے پہلے کے ہیں۔ آزادی کے بعد پاکستان میں بہت سے شعبوں میں نمایاں ترقی ہوئی ہے جسے اس پمفلٹ میں ظاہر نہیں کیا گیا۔ ہم آج ہی اس کا جواب تیار کر لیں گے۔ آپ کتنی جلدی جواب دینا چاہتے ہیں؟ میں نے ذرا لاپرواہی کے لہجے میں کہا، کوئی جلدی نہیں۔ انہوں نے محسوس کیا شائد میں پمفلٹ کی اہمیت کو نہیں سمجھا۔ تھوڑے عرصے بعد پھر کہا۔ میں جا کر اعداد و شمار کی پڑتال کروں؟ میں نے پھر اسی لہجے میں کہا آپ

زحمت نہ کریں۔ انہوں نے چند منٹ صبر کرنے کے بعد پھر کہا صاحب اس کا جواب تو ضرور ہونا چاہیئے۔ میں نے پھر یہ کہہ کر ٹال دیا کہ دیکھا جائے گا۔ اس پر وہ خاموش تو ہو گئے لیکن ان کا اطمینان نہ ہوا۔ آخر جب میری طرف سے جواب کا وقت آیا تو جہاں تک پمفلٹ کا تعلق تھا میں نے کہا ہمیں افسوس ہے کہ ان مسائل پر بحث کے دوران فرانسیسی مندوبین اسمبلی کے اجلاس سے اٹھ کر چلے جاتے ہیں اور انکی طرف سے اس مسئلہ پر کوئی روشنی نہیں ڈالی جاتی۔ اس لئے ہمیں ان کے نقطہ نظر سے آگاہی نہیں ہوتی۔ لیکن ہم ممنون ہیں کہ آج انہوں نے کسی حد تک ہماری لاعلمی کے ازالے کی سعی اس پمفلٹ کے ذریعے کی ہے جو اراکین اسمبلی میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ممکن ہے بعض اراکین ابھی ان اعداد و شمار کا تجزیہ نہ کر پائے ہوں جو اس پمفلٹ میں درج ہیں اور اس لئے ان سے صحیح نتیجہ اخذ کرنے کے قابل نہ ہوں لہذا میں ان کی اطلاع کے لئے ہر صفحے کا خلاصہ انہیں سنا دیتا ہوں۔ چند منٹوں میں ہر شعبے کا خلاصہ کمیٹی کے روبرو پیش کر دینے کے بعد میں نے کہا ہم بحث کی خاطر تسلیم کر لیتے ہیں کہ تونس رفاہ عام کے ہر شعبے میں پاکستان کی نسبت کہیں آگے ہے۔ مسئلہ زیر بحث یہ ہے کہ تونس نے "باردو" کے معاہدے کی رُو سے بعض اختیارات اس غرض سے فرانس کے سپرد کیے تھے کہ فرانس ان اختیارات کو استعمال کر کے تونس کے داخلی شعبوں میں مناسب اصلاح کر دے۔ تونس کا کہنا ہے کہ فرانس معاہدے کے مقاصد کو پورا کر چکا ہے اس لئے اب وہ اختیارات جو فرانس کو تفویض کیے گئے تھے تونس کو واپس ہونے چاہئیں۔ فرانس کی طرف سے اس پمفلٹ میں یہ ثبوت مہیّا کیا گیا ہے کہ تونس نے شعبوں میں اس قدر ترقی کی ہے کہ وہ پاکستان سے بھی کہیں آگے نکل گیا ہے۔ ہم اسے درست تسلیم کرتے ہوئے فرانسیسی فاضل نمائندوں سے صرف یہ سوال کرتے ہیں کہ اگر حقیقت یہی ہے جو پمفلٹ میں ظاہر کی گئی ہے تو کیا وجہ ہے کہ پاکستان تو آج سے پانچ سال قبل آزاد ہو چکا ہے اور تونس جو پاکستان کی نسبت اس قدر ترقی یافتہ ہے ابھی آزادی کے قابل نہیں سمجھا جاتا؟

غرض نہ تونس کے متعلق نہ مراکش کے متعلق فرانس کوئی ایسی دلیل پیش کرنے کے قابل تھا جس کی بنا پر ان ممالک کو آزادی کے قابل نہ گردانا جاتا۔ لیکن اقوام متحدہ میں فرانس کے اثر و رسوخ کی وجہ سے اسمبلی میں اس مسئلے پر ٹال مٹول ہوتا رہا، ایک بار فرانس نے جھلا کر سلطان مراکش کو جلاوطن کر دیا اور ان کے مقابل پاشا آف مراکش کو کھڑا کرنے کی کوشش کی لیکن اس اقدام کے خلاف ملک بھر میں ایسے جوش کا احتجاج ہوا کہ تھوڑے عرصہ میں سلطان فاتحانہ حیثیت میں واپس لوٹے اور پاشا آف مراکش نے دربار میں گھٹنوں کے بل چل کر ان کی اطاعت کا اعلان کیا اور اپنے قصور کی معافی طلب کی۔ جب اسمبلی میں یہ قصہ خاطر خواہ طور پر سلجھ نہ سکا تو یہ مسائل مجلس امن کے زیر غور آئے۔ اس عرصے میں پاکستان مجلس امن کا رکن ہو چکا تھا اور پاکستان کے قابل نمائندے سید احمد شاہ صاحب بخاری نے ان ملکوں کی آزادی کی حمایت کو نہایت احسن طور پر نباہا۔ فجزاہ اللہ

(تحدیث نعمت 572-573)